

کتنے چکر لگائے ہیں

”ایمان سے عاشر لڑکیاں تھے ٹھیک ہی پتھر کتی ہیں دو گھنٹے سے تھے سمجھا رہا ہوں مگر تیری نہ ہے کہ ہاں میں بدلتی ہی نہیں۔“

طویل ترین کوشش کو رائیگاں جاتا دیکھ کر سیف نے کپ میز پر جی ڈیا۔ عاشر نے محض نظر اٹھا کر دیکھنے پر اکتفا کیا اور دوبارہ بیوی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”دیکھ عاشر میری بات مان لے ورنہ مجھے اپنا قتل معاف کر دے۔“ عاشر کی بے نیازی اسے بری طرح کھولا گئی دونوں آستینیں چڑھائے وہ اسے شعلہ بار نظروں سے گھورتے ہوئے بولا۔

”تم بے کار بحث کر رہے ہو سیف جب میں نے ایک بار کہہ دیا کہ مجھے نہیں جانا تو پھر بات ختم ہو گئی ہے اب چاہے تم پورا دن بیس ڈیرہ والے اپنی کتے رہو میرا فیصلہ نہیں بدلے گا۔“ بڑے رसान سے عاشر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بپے تلے مگر حتمی انداز میں کہہ کر بات ختم کر دی۔

”کیوں تمہارا فیصلہ ہے یا تقدیر کا لکھا کہ بدلا نہیں سکتا۔“ سیف نے طیش میں دانت کچکپائے اور بھڑک کر بولا۔

”کیا ہو گیا ہے سیف۔“ اس نے دھیرے سے مسکرا کر اسے دیکھا جو غصے میں تھوڑا سا تاب کھا رہا تھا۔

”دیکھو اگر تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ تمہاری بھی تو کزن کی شادی ہے تم وہاں جاؤ شرکت کرو“ ایجوئے کرو نہ گیا میں تو میرا فیصلہ تم ہی چکے ہو“ وہ اپنے مخصوص غصے سے بولے مضبوط لہجے میں بولا۔

”مگر انکار کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی۔“ سیف اس کے

پاکستان آنیچل ۱۲۴ مارچ ۹۸

باقی اندر چلی آئیں زانی میں ریفٹر شمنٹ سجائے وہ اسے کھڑا دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

”ارے تم کیا جا رہے ہو؟“

”جی“ اور اب اسی وقت آؤں گا جب آپ کے لاڈ لے بھائی کو عقل آجائے گی۔“ وہ شاکی انداز اپنائے خفگی سے پرسکون بیٹھے عاشر کو دیکھ کر کیلئے پن سے بولا اور دروازے کی طرف بڑھا۔

”ارے ارے مگر ہوا کیا“ سمن باجی نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھام لیا۔

”اسی گھاڑ سے پوچھیں۔“ نزوٹھے پن سے کہا کیا۔

”کیوں عاشر“ پھر تم نے ناراض کر دیا اسے“ کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ کم از کم بار دوستوں سے تواپنا رویہ ڈھٹک کار کھا کرو ہر ایک کے لیے اپنا مت پھولیا کرو“ سمن باجی بھی ناراضگی سے کہنے لگیں۔

عاشر کی خود سری اور ہٹ دھرمی سے وہ واقف تھیں مگر وہ کہہ ہوش نرم لہجے میں ہی بولتا تھا مگر فیصلے ایسے اٹل اور قطعی کرنے کا عادی تھا کہ پھر ایک لفظ



پاکستان آنیچل ۱۲۵ مارچ ۹۸

بھی نہ سنتا کسی کا۔
اس وقت بھی سمن باجی نے سیف کو خصوصاً "فون
کر کے بلایا تھا کہ وہ اگر عاشر کو ساتھ چھنے کے لئے
راضی کرے مگر سیف کی کوششیں بھی بے ثمر اور ثابت
نہیں ہو رہی تھیں بلکہ عاشر نے اسے بھی ٹالنا کر دیا
تھا۔

"پلیز باجی آپ ہی اسے سمجھائیے کہ یہ بیکاری ضد
چھوڑ دے، میں نہیں جانا چاہتا تو یہ کیوں ضد کر رہا
ہے۔" سمن کی مداخلت پر وہ جھنجھلا اٹھا۔
"کیوں نہ کرے اصرار، آخر کو کم دو دنوں ہی تو ہر جگہ
ساتھ ساتھ پھرے گئے تھے آج یہ نہیں منا رہا ہے تو
اس میں کیا برائی ہے۔" سمن باجی کے تمام تر دوش
سیف کے ساتھ تھے۔
"مگر!"

"مگر گم۔" کچھ نہیں۔ "عاشر کے کچھ کہنے سے
پہلے ہی وہ بول پڑیں۔
"تمہاری خود سری کبھی کبھی بڑی تکلیف پہنچاتی
ہے عاشر بھو بھی اماں نے بڑی محبت اور خلوص سے
بلایا ہے تمہیں اور تم ہو کہ انکار کئے جارہے ہو۔"
سمن کا لہجہ بھیک گیا۔

سیف اور عاشر دونوں اپنی جگہ چور سے ہو گئے،
پھوپھی اماں سے سمن کی محبت کو سب جانتے تھے
بہت چھوٹی تھیں سمن جب پھوپھی اماں نے انہیں
گود لے لیا تھا اولاد کی دولت سے اس وقت وہ محروم ہی
تھیں بعد میں پانچ سال بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی
پامرا کر دیا اور اوروں سے وہ بیٹیاں باعہما اور شازمہ ان کی
ممتا کے سوتے جاری کرنے چلی آئیں۔

اپنی دو بیٹیوں کے باوجود سمن کی اہمیت اپنی جگہ
رہی تو کہ باعہما اس سے پورے چھ اور شازمہ سات
سال چھوٹی تھی مگر ان تینوں کی خوب بچی تھی۔
وقت گزر رہا اور شہوں کے فاصلے ملاقات کی راہ
میں حائل ہوتے رہے مگر پھر بھی اکثر سمن کراچی
آجاتی یا پھر یہاں سے سب لوگ اسے ملنے جلتے
جاتے پھر شادی کے بعد یہ ہوا کہ اسے بھی کراچی آنا

پڑا۔
پچھلے دو سالوں سے سمن کے شوہر امریکا میں
اسپیشلائزیشن کے لئے گئے ہوئے تھے لہذا وہ
سالوں بعد اپنے میکے میں آکر رہ رہی تھیں نہ صرف
رہ رہی تھیں بلکہ تقریباً "آٹھ مہینہ واری بھی سنبھال
لی تھی۔

"پلیز باجی بات یہ نہیں ہے۔" عاشر نام سا ہو گیا
سیف نے فاتحانہ انداز میں اسے دیکھا۔
"تو پھر تم کیوں ہم سب کو ناراض کیے جارہے
ہو۔" وہ بھکی نظریں اٹھا کر بولیں تو لمبے بھر میں عاشر
حسن کے سارے راستے مسدود ہو گئے وہ فوراً اٹھ
کھڑا ہوا۔

کچھ بھی تھا مگر وہ اپنی اکھوتی بہن کی آنکھوں میں
آنسو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ لاکھ دھندلہ اور خود
سہی مگر سمن باجی کے اشک اسے موم کی طرح
پگھلا دیتے۔

"ٹھیک ہے بابا، میں اس بارے میں سوچوں گا مگر
پلیز آپ یہ آنسو صاف کریں،" اس نے شکست
خوردگی سے کہا اور نشو باکس سے نشو نکھیت کر انہیں
تھپایا۔

"واقعی اسطو نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ مرد کے بازو
اور عورت کے آنسو دنیا میں کیا نہیں کر سکتے۔" سیف
نے بڑے خوش کن انداز میں چمک کر کہا عاشر نے
دانت پیٹتے ہوئے اسے گھورا۔

"تم سے تو میں بعد میں بنوں گا۔" اس نے سمن
سے آنکھ پکا کر سیف کو دھمکی آمیز نظروں سے لٹا دیا
جس کے جواب میں سیف نے لا پرواہی سے گردن
موڑ لی۔

"آجھا اب سیف تم بھی ناراضگی چھوڑ دو، اور یہ
گاجر کا حلوہ کھاؤ میں نے بڑے شوق سے بنایا
ہے۔" عاشر سے نظر ہٹا کر سمن نے لا تعلقی سے
کھڑے سیف کو دیکھ کر محبت سے کہا تو وہ پہلی فرصت
میں ناراضگی بھلا کر صوفے پر ڈھے گیا، سمن بہت
خوش تھیں کم از کم اس نے سوچنے کی ہالی تو بھری۔
"کچھ اور چاہتے ہو تو آواز دے لینا میں ذرا ائی کو یہ

خوش خبری سنا آؤں۔" سمن کھلکھلاتی ہوئی لپک کر
ای کی داس کی رضامندی کی خبر سنانے چل دیں۔
"تم کو تو میں قتل کر دوں گا۔" سمن کے نکتے ہی وہ

سیف پر جھپٹ پڑا۔
"دیکھائی مجھ پر رحم کھا، میں نے تو اب تک نکاح
بھی نہیں کیا۔" چہرے پر مسکینی لاتے ہوئے بھی
سیف اسے چھپڑنے سے باز نہ آیا۔
"سیف،" وہ مانند شیر دھاڑا۔

"عالی جاہ بندہ خاکسار و ناچیز اپنی خطا کی معافی چاہتا
ہے اسے معجزا پر سوچ رہا تھا عاشر کے یوں پسپا
ہونے پر اسے بڑی ہنسی آ رہی تھی۔

"تم دوست نہیں آتین کے سانپ ہو، ناحق میں
نے تمہیں اتنا سر جھمایا۔" اسے دو تین کر رہے تھے
رہید کر کے وہ بھی بیٹھ گیا۔ جب کہ سیف نے ہٹائی سے
کندھے جھکتے ہوئے گاجر کا حلوہ نوش کرنے میں لگ
گیا تھا۔

"واہ مزہ آگیا، تو تم بھی کھاؤ۔" اس نے فرزند لی
سے عاشر کو آفر کی۔

"تم میری نظروں سے دور ہو جاؤ تو اچھا ہے، ورنہ
میں گاجر کے حلوے کی جگہ تمہیں کچا جھاؤں گا۔"
وہ بھڑک کر غرایا۔

"دھیر دھیر جان دھیر،" جسٹ کول ڈاؤن
پلیٹ خالی کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے سیف نے
نشو پیپر کھینچا اور نہایت آرام سے بولا۔

"وہیے شرمیلی تو لڑکیاں ہوا کرتی ہیں شادی سے
قبل سرال جاتے شرمائی اور جھجھکتی ہیں مگر
تمہیں کیا ہوا ہے تم تو پورے چھ فٹ کے "پینگری
یک مین" ہو چہیں کیوں شازمہ سے پردہ کرنے کی
سوچ رہی ہے جب کہ پچھلی اماں نے یہ بات جانتے
ہوئے بھی کہ تمہارا نکاح ان کی دختر نیک اختر بنام
شازمہ علی خان سے ہو چکا ہے پھر بھی تمہیں بلایا ہے
ان تمام باتوں کے باوجود تمہارے جانے میں کیا بات
مانع ہے۔"

"کبومت سیف،" وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں
چنچ پڑا۔

سیف نے ایک نظر سنجیدگی سے اسے دیکھا اور پھر
صوفے سے اٹھ کر اس کے پاس کاپٹ پر فلور کشن
کھینچ کر بیٹھ گیا۔

عاشر نے اسے سنجیدہ اور کچھ متھکر سا دیکھ کر
نظریں نیوی کے اسکرین پر مرکوز کر دیں۔
"یار عاشر ایک بات بالکل سچ بتا۔" وہ گمبیر لہجے
میں بولا مگر اس نے توجہ نہ دی۔

"میں نے کچھ کہا ہے سرکار۔" اس کے ہاتھ سے
باقاعدہ ریڈیوٹ جھپٹ کر اس نے والیوم بالکل بند
کر دیا۔

"کہا ہے تمہیں۔" وہ رکھائی سے پوچھنے لگا۔
"جس ایک بات پوچھتی ہے تم سے سچ بتاتا۔"
اس کا رو کھانچہ نظر انداز کرتے ہوئے وہ سنجیدگی سے
گویا ہوا عاشر کو اندازہ تھا کہ وہ کیا پوچھے گا لہذا نظر
پھیر لی۔

"کیا تم واقعی اب تک شازمہ کو ناپسند کرتے ہو۔"
سیف کا سوال اس کے دل پر جا کر لگا۔
"نہیں۔" انداز ہنوز نالائے والا تھا بیش کی طرح

سے۔
"عاشر میری طرف دیکھو۔" سیف نے اس کے
کندھے کھینچ کر اس کا رخ اپنی جانب کر لیا، مگر اس
کوشش میں اسے بڑی توانائی صرف کرنی پڑی، سامنے
کوئی نازک سی لڑکی نہیں بلکہ دراز قد چوڑے شانوں
والا عاشر حسن تھا۔ جس کی وجاہت اور خود سری اسے
ہزاروں میں ممتاز کرتی تھی۔

"فار گاؤں ایک سیف کوئی اور بات کرو۔" اب کے
اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔
"مگر عاشر اب وہ تمہاری منکوحہ ہے، اگر یہ سب تھا
تو تم نے نکاح کے وقت انکار کیوں نہیں کیا۔" سیف
کی سوتی ایک ہی جگہ اٹکی ہوئی تھی۔

"میں نے اقرار بھی کیا تھا۔" وہ ہنست پڑا۔
"کہا۔" سیف متعجب سا اسے دیکھ گیا۔
"تمہیں معلوم ہے کہ ابونے نکاح سے صرف پانچ
گھنٹے پہلے مجھے اطلاع دی تھی انکار اقرار کا تو موقع ہی
نہیں آیا تھا۔"

”مگر اس وقت تو معاملہ بہت نازک تھا عاشر پوچھا جان کے دشمن ان کی بیٹیاں اغوا کرنے کی دھمکیاں دے رہے تھے ایسے میں تم جانتے ہو کہ اگر وہ انہیں اغوا لیتے تو کمن پوائنٹ پر نکاح کر کے پورے شہر میں پھینکا جان کو رسوا کر دیتے۔“ سیف تیز لہجے میں کہے گیا۔

”جانتا ہوں میں۔“ وہ بھی دس دس لہجے میں چیخا۔

”تو اس کے لیے اپنی قربانی بھی دے چکا ہوں۔“ غصے سے ہتھیل پر مٹکا مارتے ہوئے اس کی آنکھوں میں جیسے شرارے دوپکنے لگے۔

”واہ کیا قربانی دی ہے آپ نے۔“ سیف نے تمسخر سے دیکھتے ہوئے استہزاء کیا۔

”نکاح کرنے کے باوجود ان کی بیٹی کو دل سے اپنانے کی کوئی خواہش نہیں آپ کی اور آپ کہتے ہیں کہ قربانی دی ہے آپ نے۔“

میں پوچھتا ہوں کہ کس چیز کی قربانی دی ہے تم نے عاشر گہرا وہ لنگڑی بے لولی ہے لیاچ ہے یا خدا نخواستہ بیکر دار ہے جو اسے قبول کرے تم نے انسانیت کی عقلمند خدمت انجام دی ہے۔“ سیف بھی غصے میں آیا۔

عاشر چند ٹانھے اسے دیکھتا رہا اور پھر قدرے توقف کے بعد بولا۔

”میں نے اپنے خوابوں اور اپنی خواہشوں کی قربانی دی ہے سیف اور یہ بات تم نہیں سمجھ سکتے کہ جب منزل و قدم کے فاصلے پر ہو اور راستہ کم ہو جائے تو لٹے بٹے مسافر کے ذہن و دل کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔“ اس کا لہجہ شلستہ اور نارسائی کے زخموں سے چور تھا۔

سیف ٹھنڈا رہ گیا اس کے انداز پر۔

”میں تمہارا دکھ سمجھتا ہوں عاشر مگر تم اپنے ایمان سے کہو کہ اس سارے معاملے میں شازمہ کا کیا قصور ہے اگر پوچھا جان کی دشمنی میں اسے گزند پہنچتی تو بھی اسے اتنا ہی دکھ پہنچتا تھا کہ تمہارے رویے سے اسے ملا ہے۔“ وہ کہہ رہا تھا اور شاید ٹھیک ہی بولا تھا

وہ عاشر سیات نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

”آج تمہارے نکاح کو پورے تین سال ہو گئے ہیں اس دوران تم نے ہر جگہ اس کی ہتک کی انسلٹ کی اس کے چندار کو ہر حربے سے گھیس پھینکی مگر آج تک وہ میرا لب ہے۔“

جب تم اس کے سامنے خاندان کی دوسری لڑکیوں سے ہٹتے بولتے تھے اور اس کو محض سرد نظروں اور سرد رویوں سے مخمد کرتے تھے تب بھی نہیں سمجھی احساس نہ ہوا کہ تم اسے کتنا رنج پہنچا رہے ہو۔

وہ لڑکی ہے عاشر معاشرے کی مظلوم ترین ہستی اگر تم محض اس لیے اسے مصلوب کرنے پر مل گئے ہو کہ اس نے تمہارے کئے پر اس نکاح سے انکار نہیں کیا تو واقعی تم عقل کے اندھے ہو۔

پاکل انسان وہ لڑکی نہیں ٹوٹ کر چاہتی ہے۔ تمہاری بچ ادائیگیوں اور بے وفائیوں کو کتنی ہمت سے برداشت کرتی ہے۔ اسے اسے اسحق محض تمہاری جگہ اگر کوئی عقل والا ہوتا تو اس کے پیروں پر چڑھ کر بیٹھتا۔

وہ اسے سمجھا رہا تھا جب کہ عاشر حسب معمول اور حسب سابق پاس بڑے میگزین کے ورق لٹتے ہوئے اپنی بے توجہی کا اظہار بڑے بھرپور طریقے سے کئے جا رہا تھا۔

”تم رہے ہو کچھ کہ میں نے کیا کیا ہے۔“ سیف نے اس کا کار کھینچا۔

”تم باتوں کے بارے میں تم خود فرما رہے ہو کہ تم نے محض ”بکا“ ہے تو پھر میں اسے سن کر کیا کروں گا۔“ اپنا کار چمڑا کر شانے جھٹکتے ہوئے اس نے کوئی لمحہ بھرے انداز سے کہا تو سیف لب بچھے اس کی جانب گھور رہا۔

”تم آن سیف چلو آؤ تمہارے ساتھ ایک بازی نیل ٹیس کی ہو جائے۔“ وہ اٹھا اور ہاتھ پکڑ کر اسے بھی اٹھاتے ہوئے یوں بولا جیسے وہ تمام بچہ سیف نے اسے نہیں بلکہ دیواروں کو دیا ہے۔ ریکٹ اٹھائے اور جو گرز کے کسے پائے گئے۔

”سوچ لو عاشر کہیں کھیل کی بازیوں میں لگ کر تم دل کی بازی نہ ہار جاؤ۔“ سیف کا انداز چبھتا ہوا گہرا

پاکینہ پچھلے ۱۲۸ مارچ ۹۸

برساتھا عاشر نے ایک اچھتی سی نظر اس پر ڈالی اور برش اٹھا کر بال پٹانے لگا۔

گہرا سیف کا بملہ بھی نظر انداز کیا جا چکا تھا۔ ”چٹکیں۔“ قیوم اسپرے کرتے ہوئے وہ پلٹا اور ریکٹ اٹھا لے۔

”میں اب گھر چلوں گا۔“ سیف کا لہجہ کھردرا ہوا گیا۔

اس نے محسوس کیا سیف بڑا الجھ گیا تھا۔ ”میں فی الحال تم کہیں نہیں جاسکتے، پہلے میرے ساتھ ایک سیٹ ٹیبل ٹیس ہوگی اس کے بعد ہی تمہیں کہیں جانے کی اجازت مل سکتی ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے شاشت سے کہا اور ماحول کی سختی کو کم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دھونس چلائی۔

”تم ہمیشہ ہی خود سر رہے ہو عاشر مگر تمہاری یہ صفت تمہیں بہت سی محنتوں سے محروم کر رہی ہے۔ پلینڈ ٹرائے ٹو انڈر اسٹینڈ شازمہ تمہاری بیوی ہے اور اس کو ہی تمہاری زندگی میں آنا ہے۔ آخر تم کیوں نہیں سمجھتے کہ ہٹ دھرمی قدرت کے فیصلوں کے آگے نہیں چلتی۔“ سیف کا بیخ صفت انداز اس کو آگ کر گیا۔

”شٹ اب سیف میں اس بارے میں کچھ نہیں سنا چاہتا اور پھر تم بھی اس ٹاپک کو ختم کر دو۔“ ”ٹاپک ختم کرنے سے بات ختم نہیں ہو جائے گی عاشر۔“

”ٹو ہیل وڈ یو اینڈ یور سوئیٹ کزن شازمہ and (To hell With you)

(your Sweet Cousin Shazma) لہجہ بھر میں ریکٹ اچھا ل کر وہ غصے سے آگ بکولہ ہوتا ہوا ہر ٹکل گیا۔

”تم کہتے تاروان ہو عاشر محبت کی کشمی ٹھکرا ہے ہو۔“ مگر اس اس خارج کرتے ہوئے اس نے تابانہ عاشر کو مخاطب کیا اور خود بھی ہار ٹکل آیا۔

”ہاں تم ابھی تک نہیں ہو اور عاشر تو چلا بھی گیا۔“ عاشر کی والدہ طاہرہ بیگم اسے کمرے سے نکلتا دیکھ کر حیران کی رو ٹھیک۔

”جی وہ میں بھی بس ابھی نکلے ہی والا تھا۔“ اس

پاکینہ پچھلے ۱۲۹ مارچ ۹۸

نے مسکرا کر کہا۔

”ویسے عاشر کیا کہاں ہے۔“ بیٹک کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے اس نے سرسری سے انداز میں پوچھا۔

”تمہیں نہیں بتایا اس نے۔“ طاہرہ بیگم پھر چوٹکیں۔

”میں میں ذرا ڈی دیکھنے میں لگ گیا تھا۔“ آخر میں وہ کچھ بولا تھا مگر میں سن نہیں سکا۔“ اس نے بہانہ کرتے ہوئے خوش گفتاری سے کہا۔

”شاید جیم خانہ گیا ہے۔“ انہوں نے بتایا۔ ”ٹھیک ہے جی جیم آئے تو کبھی جگہ ٹیبل ٹیس کی بازی ادھار رہی اوکے اللہ حافظ۔“ پھر طاہرہ بیگم اسے کھانے کے لئے روٹی رہ گئیں مگر وہ ”پھر آؤں گا“ کہہ کر محبت باہر نکل گیا اور کمرے میں آجائیں تو اسے ہرگز نہ جانے دیتیں۔

بہت محبت کرنی تھیں وہ اسے عاشر کی طرح چاہتی تھیں سوئے اتفاق پوچھی اماں کی بھی دوستی بیٹیاں تھیں سو وہاں بھی بھائی کے لئے ترستی رہیں اب یہاں آکر ایک ہی وقت میں تین تین بھائی مل گئے تھے عاشر سے بڑے طاہرہ اور تایا زاد سیف۔

یوں تو پہلے بھی میل ملاقات رہتی، کبھی کبھی رہنے بھی وہ آتیں کراچی مگر ان دنوں سب اپنی اپنی رہائشوں میں مصروف رہتے تھے اب جا کر جاب سے ملنے تو نام ٹیبل بھی سیٹ ہو گیا۔

طاہرہ بیگم میں ملازم تھے جب کہ عاشر بھائی کے ساتھ کلیننگ جانتا تھا، میں میں ہاسپٹل بھی جوائن کر رکھا تھا۔ سیف البتہ اکلوتا ہونے کے باعث اپنے ابو کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹا رہا تھا مگر اکثر ہی آفس سے بھاگ کھڑا ہوتا اور عاشر کو بھی کلیننگ سے زبردستی کھینچ لاتا۔

”اف میرے خدا۔“ سمن نے کمرے میں آتے ہی سر پٹ لیا۔

کمرے کی کوئی چیز جگہ پر موجود نہیں تھی وارڈ روپ کھلی ہوئی تھی اور اس کے دروازے پر پکڑے

لکے اپنی بے قدری پر ماتم کناں تھے۔ الیش ٹرے سائید
نبیل سے سفر کر کے کاریٹ پر ایک طرف اونڈھا ہوا
تھا۔ اور ساتھ ہی راکھ اور بچے ہوئے سکرنوں کا چھوٹا
ساؤجر تھا۔
میڈیکل کی موٹی موٹی کتابیں بھی بکھری پڑی تھیں
باتھ ٹاؤن اور تولیہ ڈرنک نبیل پر بڑی بے دردی سے
پھینکے گئے تھے۔

تسمن نے دیکھا عاشر کمرے میں نہ تھا فجر کی نماز پڑھ
کر وہ سب پر خصوصاً عاشر پر دم کرنے کی عادی
تھیں۔ اس کا غصہ سب سے سوا تھا۔ یوں بھی وہ
محسوس کرتی تھیں کہ عاشر کی بحیثیت شوہر شازمہ کے
لیے ہونے والی وارفتگی تقریباً ناپید تھی اس کی سرور
میری انہیں دل ہی دل میں ہولادیتی تھی ان کی خواہش
پر ہی ای پائے اس کا رشتہ شازمہ کے لیے دیا تھا۔

یوں تو امی کو بھی شازمہ پسند تھی مگر جب وہ نازک
صورت حال پیدا ہوئی کہ علی خان صاحب نے ناعمہ کا
رشتہ اپنے ایک دوست کے یہاں پکا کیا اور شازمہ کے
لیے پریشان ہوئے تو تسمن کے ذہن میں سب سے پہلے
عاشر کا ہی نام آیا۔

اور یوں ان کے کہنے پر امی پیلانے بخوشی رضا اس کا
رشتہ وہاں پکا کر دیا اب تو دونوں نکاح کے مضبوط اور
یا کیزہ بندھن میں بھی بندھ گئے تھے مگر جانے کیوں
انہیں عاشر کا انداز بہت سرد اور لیا دیا سا لگتا۔ عام
لوگوں کی طرح وہ بھی شازمہ سے ملنے کی کوشش
نہیں کرنا نہ ہی اس کے بارے میں کچھ سننے کا متنبی
نظر آتا۔ اس کے برعکس وہ شازمہ سے لاطعلق برتا
تھا۔

شروع شروع میں تو وہ اس کی اس بے توجہی پر بڑی
حیران ہو میں مگر جلد ہی امی نے یہ کہہ کر کہ عاشر کا
مزانجی ایسا ہے انہیں مطمئن کر دیا۔
اس کے باوجود وہ بھی کبھی تشویش زدہ ہو جاتی
تھیں۔ زیادہ پریشان ہوتیں تو اس سے ڈائریکٹ ہی
پوچھ لیتیں اور اس کا جواب ہمیشہ ناپلا ہوتا۔
”میں بھرا میڈیکل کا خشک بندہ بھلا مجھ سے کہاں
یہ روناؤی کروار ادا ہو سکتا ہے۔“ وہ بظاہر ان کو ٹال

دیتا یا مطمئن کر دیتا مگر اندر سے وہ کبھی بھی مطمئن نہ
ہوتی تھیں۔
اپنی آنکھوں سے جا کر ناعمہ کے منگیتہ صحت کی بے
قراریاں اور بے مائیاں دیکھ چکی تھیں کیسے وہ ناعمہ کی
ایک نظر اور ایک جھلک دیکھنے کو مشتاق رہتا تھا جب
کہ عاشر کا یہ رویہ اس کے قطعی برعکس تھا۔

اس میں جذبول کی گرمی کے بجائے سرد مہری اور
بے اعتنائی کی منہجندہ کردہنے والا سردین محسوس
ہوتا تھا۔ ایسے میں تسمن کے دل کو بس دعا مانگ کر ہی
قرار آتا تھا۔ آج کل وہ عاشر کے دل میں شازمہ کے لئے
محبت پیدا کرنے کی دعا میں زور و شور سے مانگ رہی
تھیں۔

اس وقت بھی وہ اس پر دعا پڑھ کر پھونکنے آئیں تو
اسے کمرے سے نڈر دیا گیا تیسرے پر جھانکا تو ششدر رہ
گئیں۔

پلنگ کی طرف رخ کیے وہ کل رات والے لباس
میں ہی کھڑا تھا۔ یہاں تک کہ شوز تک نہیں اتارے
تھے اس نے ایک باتھ میں سکریٹ دیا۔ بہت
خاموشی اور گرائی سے کچھ سوچ رہا تھا۔

وہ بنا آہٹ کے اس کی پشت پر جا کھڑی ہوئیں مگر
اسے کسی کی موجودگی کا احساس نہ ہو سکا وہ خود میں کم
ہنوز کسی سوچ میں ڈوبا کھڑا تھا۔

”عاشر۔“ تسمن چند جانتے اسے یونہی ساکت کھڑا
دیکھ کر بے تحاشہ دھل گئیں گھر اگر اسی نہ صرف پکارا
بلکہ اس کا کندھا بھی ہلایا۔ اس غیر متوقع سی افتاد پر وہ
بھی بوکھلا سا گیا۔

”بائی آپ؟“ اس نے تیزی سے مڑ کر ان کا ہاتھ
تھام لیا۔

”تم ٹھیک تو ہو نا عاشر۔“ انہوں نے اس کی سرخ
ہوتی خوبصورت آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نظروں سے
پوچھا جو کہ پوری رات جانگے کی چغلی کھا رہی تھیں۔
”میں ٹھیک ہوں بائی۔“ تب کو کیا ہو گیا۔ ”اس
نے ذرا سا مسکرا کر انہیں ریلیکس کرنا چاہا مگر تسمن کے
چہرے پر درج بے شبہی اس پر عیاں تھی وہ کھو جاتی ہوئی
پر تشویش نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

”کیا تم ساری رات جاگے ہو عاشر۔“ ان کا لہجہ حد
درجے پریشان کن تھا۔

”نہیں بائی، ابھی ذرا دیر پہلے ہی تو آنکھ کھلی
ہے۔“ اس نے نظریں چرائیں۔

اب انہیں کیا بتانا کہ ساری رات وہ اپنے اور
شازمہ کے متعلق سوچتا رہا ہے، اس ”شازمہ علی
خان“ کے بارے میں جو اس کی ہوتے ہوئے بھی
اس کے دل میں نہیں اتاری تھی، جو اس کا نصف بہتر
ہوتے ہوئے بھی اس کے دل کی مسند سے بہت دور
تھی۔ جو ازل سے کاتب تقدیر نے اس کی بنیادی تھی مگر
پہلے ہی وہ اپنے دل میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں
پاتا تھا۔

”ج کمرہ رہے ہو۔“ تسمن کا لہجہ بے یقین تھا۔
”کم آن یار آپ سے بھلا کیوں جھوٹ بولوں
گا؟“ اس نے سکریٹ کر کر جوتے سے مسلی اور
تسمن کے شانوں پر محبت سے بازو پھیلا دیا۔

”مگر یہ جوتے؟“ تسمن نے اسے گہری نظر سے
دیکھتے ہوئے اس کے پیروں کی جانب اشارہ کیا۔
”جی۔“ وہ حقیقتاً ”کو کھلا گیا مگر جلدی سنبھل گیا۔“
”در اصل رات کو درانگ پیسیر پر جوتے پڑتے تھے
”آئی، اس لیے جوتے اتار نہیں سکتا۔ شاید ان ایزی
ہونے کی وجہ سے ہی آنکھ جلدی کھل گئی تھی۔“ اس
نے بمشکل بہانہ بنایا اور تسمن کو زبردستی انہی سیدھی
باتوں میں لگا کر اندر لے آیا۔

”کمرے کا حال دیکھ رہے ہو۔“ لگتا ہے ابھی
ہالا کو خان بسمہ لشکر کڑا رہے یہاں سے ”کمرے میں
داخل ہوتے ہی تسمن شروع ہو گئیں۔
اس نے خیالت سے سر جھکیا اور جلدی کی پڑے اٹھا
کہ باتھ روم میں کس کی گئی۔

”ایمان نے عاشر تم نے مجھے بوائےنگ کیا ہے؟ اتنے
بڑے ہو گئے ہو مگر ترتیب اب بھی تم میں نام کو نہیں
ہے۔“ تسمن اسی تمہارے ساتھ کسے گزارہ کر رہی ہیں
اس کے باہر نکلی ہی تسمن نے دھکڑا دیا۔ ”کمرے کی
حالت اب کسے مختلف تھی۔
”دیکھ لیں امی کی ہمت، وہ تو چھپس سال سے

برداشت کر رہی ہیں اور آپ دو سال میں ہی ہمت ہار
گئیں۔“ تو لے سے بال رگڑتے ہوئے وہ انہیں
آنکھوں میں دیکھ کر شرارت سے بولا۔

تسمن نے ایک نظر حیرت بھری اس پر ڈالی، مسکراتا
ہوا وہ اس عاشر سے کس قدر مختلف اور خوبصورت
لگ رہا تھا جسے چند منٹ پہلے انہوں نے تیس پر کھڑا
خیال میں کس دیکھا تھا۔ اس وقت چہرے پر سوچ کی
پر جھامک لکھی گہری تھیں جو اسے اس ہنستے مسکراتے
عاشر سے یکسر تضاد بنا رہی تھیں۔

”ہاں بھی میں تو واقعی ہمت ہار گئی میری فحاشی
سالہ بیٹی اتنا پھیلا وہ نہیں کرتی جتنا کندھم ایلے
پھیلاتے ہو، بیجاری شازمہ کا جانے کیا ہو گا تم تو اسے
پاکل کر دو گے۔“ وہ اسے گھورتے ہوئے بولیں اور کچھ
اس طرح نا محسوس طریقے سے شازمہ کا ذکر نکالا کہ
آنکھ کے سامنے کھڑا وہ بال بتاتے بتاتے یکدم رک
گیا۔

تسمن اپنی دھن میں اس کی کتابیں سیٹ کرتے
ہوئے شازمہ کے کمرے میں مصروف ہو چکی
تھیں، اس نے طویل گہری سانس خارج کرتے ہوئے
لاشعور در پر سر جھکا جیسے تسمن کی باتوں سے
دھیان ہٹانا چاہ رہا ہو۔

پوری رات سیف کا پیکر اسے پریشان کرتا رہا تھا
اور اب کبھی صبح تسمن شازمہ کی تعریفوں میں رطب
اللسان ہوتی تھیں۔

”بہت سیاری لڑکی ہے وہ عاشر یقین کرو، تمہاری
زندگی میں آئی تو دنیا جنت بنا دے گی“ کام سے فارغ
ہو کر وہ اس کی جانب پلٹیں۔

”کون جانے جسم بناوے؟“ اس کا دل کہہ اٹھا۔
”تم نے کب سے نہیں دیکھا اسے۔“ وہ پوچھ رہی
تھیں۔

”شاید پچھلا جان کے انتقال پر دیکھا تھا۔“ اس
نے لا پرواہی سے شانے اچکائے۔
”وہ میرے خدا کو یا تم نکاح کے بعد صرف ایک بار
گئے ہو وہاں۔“ ابوبی کے انتقال کو تو پونے تین سال
ہو گئے ہیں۔ تمہارے نکاح کے تین ماہ بعد ہی تو وہ

ہمیں چھوڑ گئے تھے۔ "سمن پو بھاجان کو شاذمہ کی طرح ابو جی ہی کستی تھیں ان کے ذکر پر وہ آبدیدہ ہو گئیں۔"

"اور آپ آخری مرتبہ کب گئی تھیں۔" اس نے ان کا دھیان پٹانے کے لئے انہیں متوجہ کیا۔

"میں نے ابھی پچھلے مہینے ہی تو ناعمدہ کا جہز تیار کروا کر آئی ہوں بھول گئے تھے۔" وہ بھی ذہن جھٹکتے ہوئے اس کی بات کا جواب دینے لگیں۔

"جی ان چند سالوں میں تو شاذمہ ایسی کھل گئی ہے کہ نظر نہیں ٹھہرتی۔" وہ پھر اشارت لے چکی تھیں اس کا ذکر کرتے ہوئے ان کا لہجہ محبت سے شیریں ہو جاتا تھا وہ ان کی محبت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"تم اسے دیکھو گے تو یقیناً" نظر مٹانا بھول جاؤ گے۔" انہوں نے یقین سے کہا تو وہ شخص مسکرا کر رہ گیا۔ تصور کے پردے میں کامنی سی "تو یہ واسطی" کا سراپا ابھر آیا جسے وہ بھلا تو نہیں رکھا تھا البتہ اب اسے یاد بھی نہیں کرتا تھا۔

"ابھی سے تم ہو گئے موصوف ابھی تو آپ نے اس کا دیدار بھی نہیں کیا۔" سمن نے اس کی آنکھوں کے آگے چٹکی بچائی تو ایک زخمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں کو چھو گئی۔

"کیا ہوا عاشر میری بات نہیں اچھی نہیں لگی۔" اس کا زخم خوردہ نارسائی کے احساس سے چور انداز و تبسم ان سے مخفی نہ رہ سکا سو تپ کر استفسار کیا۔

"میرے نہیں سمن باجی، اب کیا باتوں پر ہی ٹھہری گی یا کچھ کھانے کو بھی لے گا۔" اس نے رست واضح کر نظر و زالی سات بچنے کو تھے۔

"وہ ہاں میں تو بھول ہی گئی نیچے ہی جگ جگ گئی ہوگی۔" وہ بھی چونک گئیں۔

"چلو تم نیچے ہی آ جاؤ ابھی بیا بھی یقیناً" اٹھ گئے ہوں گے سب ساتھ ہی ناشتہ کر لیں گے۔" انہوں نے اسے دوبارہ کمرے میں جانے کے لئے پرتوتا دیکھا تو فوراً "بولیں۔"

"جھا چلیں۔" وہ باہل خواستہ ان کے ساتھ چل رہا جب کہ اس وقت تخت خیز آری بھی نہا کر ڈرامہ کے لئے فریش تو وہ ہو گیا تھا مگر ساری رات کی جگہ خمار بن کر آنکھوں میں آنکھری تھی۔

"کل رات سیف آپ سے مل کر گیا تھا۔" سر پھیاں اترتے ہوئے اسے سیف کا خیال آیا۔

"نہیں بس امی سے دعا سلام کر کے نکل گیا ورنہ میں اسے کھانے پر ضرور روکتی۔" وہ اسے بتاتے لگیں۔

"کچھ کہہ کر نہیں گیا۔"

"چتا نہیں شاید امی سے کچھ کہا ہو۔" انہوں نے لاعلمی سے شانے اچکائے اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئیں ان کے خیال کے مطابق بنی جاگ چکی تھی۔

"ہوں" تو گویا وہ ناراض ہو گیا ہے۔" اس نے فی دی لاؤنج میں آکر ٹیبل سے اخبار اٹھاتے ہوئے سوچا۔

"تو بھی عاشر اب تم بھانجی کو سنبھالو میں ذرا بچن دیکھ لوں۔" ذرا ہی دیر میں وہ بنی کو اس کے پاس لے آئیں جسے دیکھ کر اس کی شافلی اور تازگی لوٹ آئی اور ذرا ہی دیر میں اس کے ساتھ کھیل میں لگ کر وہ ساری باتیں سارے نظرات بھول گیا۔

* * *

"کہاں ہو تم ذیل شخص۔" وہ سیف کو گیٹ سے ہی پکارا تا اندر چلا گیا۔

"میرے تم عاشر بیٹے، آؤ آؤ بیٹا۔" سانسے ہی لان میں تائی اماں مل گئیں اسے دیکھتے ہی محبت سے پکارا۔

"جی جی اسے دیکھ کر مسکرا دیں۔"

"اسلام علیکم تائی اماں۔" وہ ان کے قریب چلا آیا۔

"و علیکم اسلام، جیتے رہو خوش رہو۔" انہوں نے محبت سے اس کی پیشانی چوم لی۔

"شکریہ تائی اماں۔" ان کا دعائیہ انداز اس کے دل میں اتر گیا۔

"کیسے ہو گھر میں تو سب خیریت ہے۔" انہوں نے

یہی بالکل خیریت ہے الحمد للہ فی الحال تو آپ یہ کہیں کہ وہ گھامڑ کماں ہے آج کل۔" اس نے بعجلت شدہ "سیف کا پوچھا۔

"کون سیف؟" وہ ذرا سا نہیں۔

"اسے یہیں کہیں ہو گا کیا تم سے نہیں ملا؟"

"پورے ایک ہفتے سے شکل کم کر رہی ہے اس نے گندھے کے سر سے سینک کی طرح غائب ہو گیا۔" جب کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کر دیتا چلتا ہے کہ گھر پر نہیں آتیں اس میں وہ نادر دوس آج میں خود ہی اسے پکارتے چلا آیا۔ "وہ تیزی سے بولا۔"

"کیوں کیا کوئی ناراضگی ہوئی ہے؟" تائی اماں نے ان کے گھٹنے کی بات بھی کی سیف ایک ہفتہ اس سے ملے بغیر رہ جائے۔

"جی کچھ ایسی ہی بات ہے۔" اس نے سرسری سا جواب دیا۔

"کوئی خاص وجہ ہے کیا؟" سیف کی طویل اراٹکی سے وہ بھی اخذ کر گئیں کہ "وجہ" بھی ضرور ہے ہوئی چلی گئیں۔

"اسے نہیں بس اس کی تو عادت ہی۔۔۔" اس کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی سیف چلا آیا اس نے دل ہی دل میں شکر کیا کہ تائی اماں کے سامنے جوابدہ ہونے سے بچ گیا۔

"تم؟" سیف اس کی موجودگی سے بے خبر الٹی دھن میں چلا آ رہا تھا اسے دیکھ کر چونکا اور اپنی جگہ ٹھک گیا۔

"کہاں واقع تھے تم اتنے دنوں۔" اس نے تائی اماں کی موجودگی کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے اپنائیت سے غصے سے گھورا۔

"پلیز ماما زرا دو کپ چائے بنوا دیں میں ذرا ان صاحب سے دو دو ہاتھ کر لوں۔" سیف نے تبسم زمان فی ابی والدہ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"جیسا ٹھیک ہے تم لوگ اندر آ جاؤ۔" تبسم زمان نے سر دھونوں انکار کر کے وہیں لان چیر زپر فروکش کر دی۔

"مچھی خاصی ٹھنڈ ہے بیٹا، تم اندر آ جاؤ تو بہتر ہے۔" وہ پھر گویا ہوئیں ان کے کچے میں فکر مند سی جھٹک رہی تھی۔

"کم آن مانا یہ کراچی کی ٹھنڈ ہے ہم پر کم ہی اثر انداز ہوتی ہے عادی ہیں ہم اس کے۔" سیف نے لا پرواہی سے کہا۔

"دونوں نے اس وقت آدمی آستینوں والی ٹی شرٹس اور جینز پہن رکھی تھیں۔

"بہت ضدی ہو کسی کی نہیں سنتے۔" انہوں نے گھٹک۔

"چلیں شکر آپ کو پتا تو چل گیا۔" عاشر خوشی سے مسکرایا۔

"اس تالاق کے ساتھ رہ رہ کر تم بھی بالکل اسی کی طرح ہوتے جا رہے ہو عاشر۔" تائی اماں نے ایک تیز نظر بلا وجہ ہی سر دھتے ہوئے سیف پر ڈالی۔ جواب میں وہ دونوں بے ساختہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑے۔

"بھیم نہیں سدھرس گے یہ۔" تبسم زمان بیڑی تکی ہوئی چلی گئیں۔

"سنو یہ تم نے کیوں گناہ گاروں کی طرح منہ چھپا رکھا ہے۔" ان کے جانے کے بعد اس نے سیف کے بولنے کا چند ثانیہ انتظار کیا مگر جب وہ اس سے لا تعلق بنا صبح کا اخبار اٹھا کر چائنا رہا تو اس سے ضبط نہ ہو سکا۔

ایک گرا اساتھ تھر رسید کرتے ہوئے بولا۔

"گناہ گار میں نہیں کوئی اور ہے، مانندہ اسٹ۔" سیف نے غلط بھر نگاہ اٹھائی اور شہادت کی انگلی اٹھا کر قطعیت بھرے انداز میں کچھ اس طرح بولا کہ وہ چپ کا چپ رہ گیا۔

"کون ہے۔۔۔؟" اس کا بھی لہجہ ٹیکھا ہو گیا، ماتھے پر شکووں کا جال بن گیا۔

"اسے بدل سے پوچھو۔" لا پرواہ جواب آیا۔

"جیسا فضول باتیں مت کرو میں پورے ہفتے تمہارا منتظر رہا ہر جگہ میسج چھوڑا مگر تم مل کر ہی نہیں دے رہے تھے چکر کیا ہے کیا اب تک ناراض ہو مجھ سے۔" سیف کے جواب پر وہ تو ہکا کر رہ گیا مگر

فی الوقت غصہ دہانی ہوتی تھی اس لیے میں بشارت سمو کر پوچھا۔
”اوہ تو آپ کو کسی کی ناراضگی کی بھی پرواہ ہے۔“
سیف استہزائیہ ہو گیا۔

”اگلے ہونے ہو سیف۔“ وہ اس کی سنگین ناراضگی اور طنز بھرے جملے پر دنگ رہ گیا۔
”اگلے میں نہیں تم ہو گئے ہو عاشر جو محبت بھرے دل کو توڑ رہے ہو۔ تم اپنے ساتھ بہت برا کر رہے ہو عاشر، پلینر سنبھل جاؤ اس سے پہلے کہ وقت کی ریت ہاتھوں سے پھسل جائے۔“ وہ تیز کر بولا۔

”مشابہت سیف۔“ وہ مشعل ہو گیا لہذا وہ بے دے انداز میں بچ رہا۔ اس کے غصے کے چہرے پر سخت تناؤ چھایا ہوا تھا جسے دیکھ کر سیف دھیمادلیا۔
”دیکھو عاشر حقیقت سے فرار حاصل کرنا یا منہ چھپانا بھاری نہیں، یو ہو یو فیس دافیکٹ (fact) (You have to face the) اس کے گھٹنے پر رکھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس پر دوستانہ انداز میں دباؤ ڈالتے ہوئے سیف بہت عاجزی سے کہہ رہا تھا۔
”میں نے حقیقت سے کبھی فرار نہیں چاہا سیف۔“ وہ بھی کولی ڈاؤن ہو کر گویا ہوا۔
”مگر اسے قبول بھی تو نہیں کیا۔“

”جہاں تک حقیقت کو ماننے کی بات ہے تو اس کا تعلق شخص ذہن کی حد تک ہوتا ہے سیف مگر اسے قبول کرنا قطعی اور سراسر دل کا معاملہ ہے اور دل کے معاملوں میں انسان اکثر بے اختیار ہوتا ہے۔“ وہ گہرے دکھ کا احساس لیے کہہ رہا تھا۔

”میں جانتا ہوں عاشر، تم تو یہ واسطی کو بھلا نہیں سکتے مگر اب زندگی نے اک نئے باب کا آغاز کر دیا ہے میرے دوست جسے پرہنا تمہارے لئے ناگزیر ہو گیا ہے ماضی کو گزری جماعت کا نصاب سمجھ کر بھول جا میرے یار۔“ وہ پھر لکچر دینے سے باز نہ آیا۔
”سیف۔“ وہ اسے کھری نظر سے دیکھ کر رہ گیا۔
”سب کتنا آسان ہوتا ہے مگر۔“ اس نے لب بچھ کر سرخ ہوتی آنکھیں موندیں کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”مگر۔“ اور ”مگر“ ایک بریکنگل شخص کی لغت ہے کبھی نہیں رہے عاشر نہیں بھی ان کے چکر سے نکل آتا چاہئے۔“
”تم سمجھتے ہو، محبت ایک اختیاری جذبہ ہے۔ اس نے ترشی سے استفادہ کیا۔
”نہیں میں یہ نہیں کتنا مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ عہد نبھانا اور اپنے قول کی لاج رکھنا مردوں کا خاص ہوتا ہے۔ تم نے شازم سے نکاح کر کے اس کا ساتھ نبھانے کا اقرار سب کے سامنے کیا ہے مگر اب تم اس سے مکر رہے ہو۔“ سیف اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولا۔

”میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔“ وہ غصے سے جھنجھلا کر بولا۔
”جھا۔“ سیف طنز بہنسا۔
”تین چپ پھوپھی اماں نے ناعمہ باجی کے ساتھ شازم کی رخصتی کرنے کے لئے زور دیا تو تم نے کیوں انکار کر دیا تھا۔“ اس کا سوال کڑا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ میں ابھی اسٹیبلشمنٹ نہیں ہوں ہوں بھی طائر بھائی کی شادی پہلے ہونی چاہیے۔“ مگر اس کے پیچھے کہنے سے ہو کر اس نے جھکتے ہوئے اس کی بیک مضبوطی سے گرفت میں لی اور سنجیدگی سے کہا۔
”میری آنکھوں میں دیکھ کر کہو عاشر حسن کہ تمہاری بیان کردہ وجہ ہی اصل محرک بھی انکار کی سیف اٹھ کر اس کے مقابل آیا اور اس کا شان ٹھونک کر بولا۔

”فار گاڈیک سیف آخر تم اس ٹاپک کو ختم کیوں نہیں کر دیتے۔“ وہ اپنے لہجے کی جھنجھلاہٹ پر قابو نہ پاسکا۔
”اس لئے میرے بار کہ یہ معاملہ کسی بے جا شے کا نہیں ایک جیتی جاگتی امانتوں سے بھری اس معصوم لڑکی کا ہے جو ہمیں چاہنے کی سزاوار ہے۔ تم نے اپنے والدین کی رضا کے آگے سر جھکا کر ہمیں دہانے سے اپنا مان لیا ہے۔ جو تمہاری منکوحہ ہے۔“ سیف کا ایک ایک لفظ کڑوے جج کی طرف کی سماعتوں میں اک اتار رہا تھا۔

”مگر میرے دل اور میرے ارمانوں نے اسے اس طرح نہیں چاہا سیف، جانے کیوں وہ میرے اندر نہیں اتر سکتی راستہ نہ بنا سکی میری ذات تک پہنچنے کے لئے۔“ وہ بلا ارادہ ہی کتا چلا گیا۔ سیف نے اسے کھری نظروں سے دیکھا۔

”تم نے سارے دروازے اندر سے مقفل کر لیے ہیں عاشر ورنہ وہ تو کب سے تمہارے در پر دستک دے رہی ہے۔“ سیف خطرناک حد تک سنجیدہ تھا اور ہلکی صاف گوئی سے بر ملا اس کی خطا میں گتوا رہا تھا۔

”حقیقت سے یہ وہ اٹھا رہا تھا۔“ بات دستک کی نہیں دستک دینے والے ہاتھوں کی سیف میں اپنے آپ کو سخت لاچار محسوس کرنا شروع کیا۔ یقین جانو خود کو اور اپنے دل کو ہر طرح راضی کرنے کی کوشش کرتا ہوں مگر میرے سرش جذبے سے منہ زور رہے ہیں مجھے سمجھ نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔“ وہ واقعی اس ذہنی خفاشار اور قلبی خفاشار سے سخت مضطرب تھا۔

”میری مانو تو رخصتی کراؤ، شازم تمہارے پاس رہے گی تو خود سری اور بے گانگی کا یہ خول بھی اتر جائے گا۔“ سیف بڑے خلوص سے مشورہ دے رہا تھا۔

”خلیل جبران کا کہنا ہے کہ۔“
”محبت طویل قربت کا رد عمل نہیں ہوتی یہ تو دی کی طرح ہمارے دل میں اترتی ہے۔“

سو تمہارا یہ خیال غلط ہے وہ زخم خوردہ سا مسکرایا۔
”مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوا عاشر بھی کبھی قربتیں بھی نہیں کی چنگاریاں سلگا دیتی ہیں دل و جاں کے لئے۔“ سیف اسے سمجھانے پر مضطرب تھا، محبت سے ماننے پر ہاتھ دھرا۔

”مگر میرے لیے ایسا بہت مشکل ہے۔“ اس نے اپنے دونوں ہاتھ بے چینی سے آپس میں رگڑے۔
”جائے حاضر ہے صاحب۔“ سیف اسے ترمیم دینے لگا۔
”نہیں نظروں سے دیکھ رہا تھا ابھی مزید کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ ملازم نرالی دھکیلا چلا آیا۔

”دو کپ بنادو۔“ اس نے گہرا سانس خارج کیا اور

پاکینہ پمچل ۱۳۵ مارچ ۹۸

کر سی پر بٹھ کر سرگٹ جلالی۔ سیف نے بھی خاموشی سے ناشتے کی پلیٹیں میز پر منتقل کرنا شروع کر دیں۔
”پنڈی جانے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟۔“ اسے سوچ میں مستغرق دیکھتے ہوئے سیف نے دوبارہ متوجہ کیا۔

”میں بھی اس سلسلے میں کچھ سوچا نہیں۔“ اس نے آکتاہٹ سے کہا۔
”وہاں سب فتنہ ہوں گے عاشر، تمہیں ضرور جانا چاہیے۔“ سیف نے کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔
”ہوں۔“ اس نے انحصار سے کام لیا اور محض ہوں پر اکتفا کیا۔

”صرف ہوں۔“ سے کام نہیں چلتا میرے بھائی، تمہیں ”ہاں“ ہی کہنا پڑے گی، اب کے سیف ذرا سا مسکرایا۔

”دیکھو۔؟۔“ اس کی ہنسنیں تن گئیں۔
”اس لئے کہ میں تمہیں ساتھ لیے بغیر نہیں جاؤں گا۔“ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے سیف نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بڑی قطعیت سے کہا۔
”مگر۔۔۔“

”میں نے تم سے کچھ نہیں پوچھا لہذا تم چپ رہو۔“ اس کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی سیف ٹوک کر بولا تو اس نے محض ٹھوکر مارنے پر اکتفا کیا۔
اب اتنا تو وہ بھی جانتا تھا کہ وہ اگر عاشر حسن ہے تو یہ بھی سیف زمان ہے جو کبھی گرتا تھا اور جب گرتا تھا تو برستا بھی تھا۔

احباب سب بھند تھے کہ گوہر تراشنا اور دل پہ کہہ رہا تھا کہ پھر تراشنا فرصت ملے جو تاج کی تعمیر سے کبھی تھا سا سکون سا اک گھر تراشنا سیف اور تمام گھر والوں کے شدید اصرار پاپا کے شفیق محکم کے تحت اس نے بھی ناعمہ کی شادی میں جانے کا پروگرام یاد النخواست بنالیا۔
وہ دل سے جانے کے حق میں نہیں تھا۔ یہ بات سیف اچھی طرح جانتا تھا اور اس کی وجہ سے بھی بخوبی

واقف تھا مگر فی الوقت ہی بہت تھا کہ وہ جانے کے لئے راضی ہو گیا تھا حالانکہ سیف کی ایک ہفتہ کی ناراضگی اور تمام کچھ اس پر قطعی اثر انداز نہیں ہوا تھا کیونکہ بقول شاعر

نہیں ہے دغل اس میں کوششوں کا
مجتہد اتفاق

مگر پھر بھی وہ مطمئن تھا کہ شاید اتنے سالوں بعد ایک دوسرے سے ملاقات کر کے کچھ بہتر صورت سامنے آجائے کیونکہ اس دوران فوریہ واسطی بھی اپنے پیارے گھر سدھارنے کے بعد وہ بھی نئی چیزوں کی اماں جانی بن چکی تھی اور عاشر حسن اسے کسی حد تک بھلا بھی چکا تھا مگر دل کا وہ خانہ جو کسی کی محبت سے پرونا چاہیے وہ شاذمہ کے ہوتے ہوئے بھی خالی تھا۔ مگر "پوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ" کے مصداق سیف بھی پر امید تھا کہ اب عاشر حسن اسے قبول کر ہی لے گا۔

امی اور پاپا بھی کبھی کبھی اس کے سر پر ہاتھ اور لاپرواہ انداز کو محسوس ضرور کرتے مگر اکثر نظر انداز کر جاتے، شاید اس لئے کہ وہ اب تک یہی سمجھتے تھے کہ عاشر حسن ایک غیر جذباتی اور کسی حد تک کلیشہ ناپ شخص ہے یا پھر وہ اپنے احساسات کو سات پردوں میں چھپا کر رکھنے کا عادی ہے۔ مگر یہ بات سوائے سیف اور عاشر کے کوئی نہ جانتا تھا کہ اس کے اس رویے کا پس منظر کیا ہے کس محرک نے اس کے دل کو پھر بنا دیا تھا ایک طرف کی سل میں تپیل کر دیا تھا جسے شاذمہ کی محبت بھی پھیلانہ پارتی تھی۔

"عاشر بیٹیں ریزو کرواؤں آپ نے؟" صبح ناشتہ کی ٹیبل پر پاپا نے اسے لگا کر آخر پر نظریں دوڑائے دوڑائے اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ "نہیں تو پاپا۔" اس نے سر نیچے میں ہلایا۔ "میرا خیال ہے کہ یہ کام مجھے کرنا تھا آپ نے تو شاید سیف سے کہا تھا۔" اس نے لاپرواہی سے کہا۔ "سیف کی اپنی بھی کچھ مصروفیات ہیں بیٹا جی وہ اپنا کام کر رہا ہے اب کو اپنا کام خود کرنا چاہیے۔" پاپا

نے چائے کا کپ لیوں سے لگاتے ہوئے مسکرا کر کہا وہ خفیف سا ہو گیا ان کے لمبے میں چھپی معنی خیز بات وہ سمجھ رہا تھا۔ "جی۔" اس نے خالیت سے نظریں جھکا لیں اور سمن اس کے انداز پر مسکرا دیں۔ "تو پھر آج ہی آپ جا کر یہ کام کروا دیجئے۔" اس نے کرسی دھکیل کر اٹھتے ہوئے ہفتہ کی طرح نرمی حکم سنائے۔ طاہر بھائی ایک ہفتہ پہلے ہی پھوپھی املا کے پاس جا چکے تھے۔ "ڈاکٹر کے پاس۔" دل میں سیف کو لاکھوں گالیاں سناتے ہوئے اس نے بظاہر پاپا کو مخاطب کیا۔ کیونکہ سیف نے ہی اسے کہا تھا کہ وہ اپنی فیملی کے ساتھ ساتھ ان چاروں کی بھی سیٹ بک کرانے کا مکر تھا۔ اس نے ایسا نہیں کیا تھا بھی پاپا نے اسے یوں شرم کر دیا تھا۔

غصہ اسے سیف پر بہت تھا لہذا ہاسپٹل میں پہنچ گیا۔ "صرف تین چار گھنٹے گزار کر وہ سیدھا سیف کے پاس پہنچ گیا۔ "اوہو چشم مارو شن دل ماشاؤ وہ آئے ہمارے آئے خدا کی قدرت ہے۔" وہ دندنا تا ہوا غصے میں پھر اسے سیف کے روم میں گھسا تو وہ اس کے تیور نظر انداز کرتے ہوئے شونے سے کہے گیا۔ "بکومت" اور یہ بتاؤ تم نے میری طرف کی سیٹ بک کرانے کے لئے اس نے سیف کی ٹیبل کے سامنے کرسی کی بیک پر دونوں ہاتھ بجا کر قدرے خشک میں کہا تو ایک بے ساختہ اور شرعی مسکراہٹ کے لیوں کا حصار کر گئی۔

"مشاء اللہ یہ بے تابی۔" اس نے ایک آنکھ عاشر کے ٹوگیا کیوں سے کئی سر میں بھیجی۔ "فضل باتیں مت کیا کرو سیف تمہاری ہمت آج پاپا نے مجھ پر بڑا ٹھنڈا میٹھا طفر کیا ہے مجھے انہی رپویشن ہر حال میں عزیز رہتی ہے بھوک کر لولا اور ساتھ ہی چشمیں میچ صفت دکھا سے اسے کھورا۔

"کون ہر حال میں عزیز رہتی ہے۔" سیف کی ہوسیت اور بے چارگی کی ایک ٹنگ قابل دید تھی وہ اس پر آنی مسکراہٹ بکھل رہا تھا۔ "سندھر جاؤ سیف ورنہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو۔" اس نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا۔ "کیوں تمہارا کیا ملک الموت سے ڈار کیٹ لکھتے ہو گیا ہے جو یوں دھمکیاں دیتے پھر رہے۔" وہ راکنگ چیئر پر جھوٹا دل جلانے والے طریقے سے بولا۔

"کیوں کفر بکتے ہو ذلیل انسان، تمہیں تو واقعی کوئی کام دینا ہی نہیں چاہیے۔" وہ اس کے مستقل شلف سے کود دیکھ کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے جھنجھلاہٹ کا مظاہرہ کیا۔ "بڑی دیر سے معلومات حاصل ہوئیں سرکار کو۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے سیف کی طرف دیکھا اور انٹر کام پر دو کولڈ ڈرنکس کا آرڈر دے دیا۔ "تمہارے دل کی گرمی کو کم کرنے کے لئے میرا دل ہے کولڈ ڈرنکس ہی تمہیں دیں گی۔" وہ منہ سمیٹ کر بولا۔ اس نے شعلہ یار نظریں اس کے وجود پر گھسیٹ کر وہ ڈھٹائی سے ہنستا رہا۔ "آرڈر میں ڈرنکس لائے جا چکے تھے اس دوران اسے اپنے بزنس کے ایپس اینڈ ڈاؤن لوڈس Ups and Down بتا رہا۔

"یو سافٹ ڈرنکس نہ۔" فخر اور مقوی قلب اس کی طرف گلاس۔ "تو نے وہ بولا۔ "علاؤنگ تم جیسے پھر دل کو مرید "مقوی قلب" قسم کی ضرورت تو نہیں ہے مگر پھر بھی آداب سے آڑے آجاتے ہیں۔" سیف کو بولنے کا میراث اس کی تند نظریں بھی اب تاثر پر دم ہو چکی تھیں ریزویشن کا بتاؤ۔ "اس نے گلاس

اٹھاتے ہوئے استغھابی نظریں سے اسے دیکھا۔ "بھئی ریزو تو وہ ہو ہی چکی ہے اب تو تمہاری منکوحہ ہے مزید کیا رہا بھائی رہ جاتی ہے۔" ہر سوال کا الٹا جواب موصول ہو رہا تھا۔ شونے سے آنکھیں کھلتے ہوئے کوک کا سب لیتا سیف اسے سخت زہر لگا بے تکلف اس کی ٹانگ پر طبیعت برخت گراں گزر رہا تھا واحد یہ سیف کا ہی دل گردہ تھا کہ اس سے اس حد تک شونے ہو جاتا تھا ورنہ تو آج تک اس کے کزن اور جی کہ کلاس ٹیلوز اور دور قریب کے دوست بھی ایک خاص حد تک ہی اس سے بے تکلف ہوتے تھے۔

"چھاپٹیفہ تھا۔" وہ طنز پر ہوا گیا۔ "سندھ آیا؟" سیف جھپٹنے لگا۔ "میرا خیال ہے کہ تم نے آج کچھ زیادہ ہی ناشتہ کر لیا لہذا خدا حافظ میں شام کو فون کروں گا اگر طبیعت ٹھیک ہو جائے تو پھر بات کر لیتا۔" وہ رکھائی سے کتا کرسی دھکیل کر کھڑا ہوا۔ "او بھائی جا کمال رہا ہے۔" سیف لپک کر راہ میں حائل ہو گیا۔

"ایک طرف بیٹو۔" اس نے غصہ ضبط کیا کہ بہر حال یہ سیف کا آتش تھا۔ "ایمان سے عاشر تیرے جیسا خشک اور روکھا ہندہ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" سچ بتا کیا سارا دن انکار ہے چنانچہ جو ہمہ وقت شعلے ہی اگتا رہتا ہے تو اسے ٹھیک کر زبردستی کرسی پر دھکیلتے ہوئے سیف بھی سنجیدہ ہو گیا۔

"مذاق کا ایک وقت ہوتا ہے سیف میں اس وقت اپنی ڈیوٹی پھوڑ کر اپنے ہسٹنٹ پھوڑ کر تمہارے پاس اس کامیڈی سے لطف اندوز ہونے نہیں آیا۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا تو سیف نے بھی اعتراف کے طور پر شرافت کا جامہ پہن لیا۔ "چھاپو لو کس کام سے آئے تھے؟" "تم نے بیٹیں ریزو کرانے کی نہیں؟" "کروائیں ہیں پاپا۔" چینی ٹیم کو بتا کر تو آیا ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا مگر عاشر نے کچھ بے

یقین سی نظروں سے اسے دیکھا۔

"ایمان سے یا راہی ایک گھنٹہ پہلے ہی تو دے کر آیا ہوں تیرے گھر۔" اس کی بے یقینی دیکھ کر اس نے اعتبار دلایا۔

"چھا۔" عاشق نے مطمئن ہوتے ہوئے کرسی کی پشت سے کمر نکا دی۔ سیف نے قدرے شوخی اور معنی خیزی سے اس کا اطمینان ملاحظہ کیا۔ ابھی کچھ کہنے کا قصد کر رہی رہا تھا کہ وہ بول اٹھا۔

"کوئی فضول بات کرنے کی ضرورت نہیں، مزید کچھ اول فول بکا تم نے تو سرتار کر رکھ دوں گا تمہارا۔" اسے اندازہ تھا کہ اس کے شیطانی ذہن میں پھر کوئی بات آگئی ہے۔

اس کی بات کے انتقام پر سیف کا بے ساختہ قہقہہ گونج گیا۔

"تو یہ سینیٹس کب کی ریزرو ہوئی ہیں۔" اس نے استفسار کیا۔

"اس منگل کی۔"

"کیا اتنی جلدی۔" اس نے برا سامنہ بنایا۔

"تو تمہارا کیا خیالی تھا میں رخصتی کے وقت لینڈ کریں گے، ہم وہاں۔" سیف نے چبھتا ہوا فقرہ اچھالا۔

"مگر اتنے دن وہاں رہ کر کرنا کیا ہے۔ شادی میں ابھی ایک ہفتہ ہے پھر ولیم کے بعد بھی ای نے تین دن مزید رکے کا پروگرام بنالیا ہے۔" وہ بے زاری اور شدید آکٹاہٹ سمیت بولا۔

"تمہاری عقل کیا گھاس چرنے چلی گئی جو یہ بچوں والا سوال کر رہے ہو، ارے ہم وہاں یارانی بن کر نہیں جارہے، لڑکی والے ہیں ہم اور پچھو کی مدد کرنے جارہے ہیں۔" سیف نے تیزی سے کہا۔

"اتنے دن ان کے گھر رہ کر ان پر بوجھ بن کر خوب ہلپ ہوگی ان کی۔" اس نے استہزائیہ انداز میں جواب دیا تو سیف بری طرح تپ گیا۔

"تمہارے ذہن میں تو صرف فضول باتوں کے سوا کچھ رہتا ہی نہیں، اپنے کبھی بوجھ نہیں ہوتے، محبتیں پیشہ پریشانیوں گھنٹاتی ہیں مجھے تم مگر تم یہ سب

کہاں سمجھو گے، تم اپنے خول میں بند، ایک گھسی فلاسفی کے تحت کام کرنے والے ہے جس انسان تمہیں رشتوں کی قدر اور اہمیت کا احساس کہاں سیف اسے کھری کھری سنا گیا۔

"تم تو صرف اپنی محرومیوں کا بدلہ دوسرے سے گناہوں سے لینا جانتے ہو، خلوص محبت اور غرضی تمہاری سرشت میں نہیں ہے عاشق حسن۔" "میری بات کا تم نے غلط مطلب لیا ہے سیف، سیف کے بھڑکنے لہجے کے برعکس وہ قدرے رساں سے بولا۔

"میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ کیا ہم سب اس طرح جا کر ان کے چھوٹے گھر میں رہ کر ان پریشان نہیں کریں گے۔"

"تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ان کا گھر چھوٹا نہیں، پچھلے سال ہی انہوں نے اوپر کی منزل بہت اچھا کر بنوایا ہے، لہذا جگہ کا مسئلہ نہیں رہے گا۔ سب کے کھانے پینے کا معاملہ تو تمہیں یہ سن کر خوش ہو گئی کہ تمہاری سسرال کا دینک بلیٹس بہت اچھا ہے۔" وہ طنز کرنے سے نہ چوکا۔

"مجھے ان کے دینک بلیٹس سے کوئی مطلب نہیں سمجھے۔" اس نے ایک ایک لفظ چبا کر ادا کیا۔

"ظاہر ہے، جب ان کی بیٹی سے کوئی لگاؤ نہیں تو کسی چیز سے کیا مطلب ہو سکتا ہے۔" سیف کا استہزائیہ انداز اسے کھولا گیا۔

"دیش اس سیف مزید مجھے تمہارا کوئی لفظ برداشت نہیں ہوگا۔" دونوں ہاتھ تیزی سے تیز کرنا تے ہوئے وہ مشتعل ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں یہ سب برداشت کرنا ہوگا عاشق حسن کیونکہ یہ سچ ہے اور تم سچ سے فرار حاصل نہیں کر سکتے۔" سیف بھی اس کے مقابل اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہت ہمدردی ہے تمہیں شازدہ علی خان سے، طنز سے سوال کیا۔

"مائندہ ان وہ شازدہ علی خان نہیں شازدہ عاشق حسن ہے، اور ہاں مجھے اس سے ہمدردی ہے کیونکہ میری گزن ہے میری بہن ہے، مجھے عاشق کی طرح

داری ہے، میں تمہاری طرح رشتوں کو اپنے نفع انسان کے تراویں میں نہیں توڑتا عاشق۔" سیف کا لہجہ سرد تھا۔

"سیف یہ تم غلط کہہ رہے ہو، میں نے اپنے نفع انسان کا کسی کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔" اس نے ادا کی انگلی اٹھا کر تیز لہجے میں کہا۔

"مگر اپنی محرومی اور نارسائی کی سزا ضرور دے رہے ہو، اور یہ سزا صرف ایک لڑکی تک محدود نہیں بلکہ اس کی پوری فیملی کو ڈس اون کیا ہے تم نے نہ صرف اپنی ناقص آرزوؤں کا بدلہ لے رہے ہو تم اس سے بلکہ اسے اپنے رویے سے مصلوب بھی کیے ہو۔" سیف نے جملوں میں سچ کی کٹ تھی۔

"پلیز سیف تم شازدہ کو ڈس کمس مت کیا کرو، آج کا ہر بھی جب بھی تم نے مجھ سے اس ٹاپک پر بات کی ہمارے درمیان سوائے تلخ کلامی کے اور کچھ نہ رہے گا۔ بہتر ہے کہ ہم اس ذکر سے گریز کریں۔" اس نے ہشکل اپنے غصیلے لہجے پر قابو پایا۔

"مگر گریز کی یہ راہ تمہیں پچھتاؤں کی کھائی میں لے جائے گی عاشق۔" سیف نے جیسے تھک کر آخری بار اسے سمجھانا چاہا۔

"میں نے خود کو برے سے برے نتیجے کے لیے تیار کر لیا ہے سیف۔" مگر پلیز تم مجھے اس طرح ہرٹ مت کیا کرو، تمہیں اندازہ نہیں کہ میں کس جہنم میں جاتا ہوں کیسے کیسے بل صراط سے گزرتا ہوں۔"

"بھی تو میں کہتا ہوں کہ کسی کا ساتھ قبول کرلو راہیں آسان ہو جائیں گی۔" سیف نے جلدی سے کہا۔

"شازدہ اور میری راہیں بہت متضاد سمتوں میں سفر کر رہی ہیں سیف۔" اس کا لہجہ اس کے دل کی طرح ظاہر تھا۔

"بعض متضاد راہیں ایک ہی منزل کو پہنچتی ہیں عاشق تم ایک بار Consider تو کرو،" اس نے آخری کوشش کے طور پر کہا، عاشق نے اس کی طرف ہاتھ دھکیلا اور بولا۔

"میں شام کو تمہارا گھر پر انتظار کروں گا سیف آج

جم خانہ میں اسکو انش کا موڈ ہے۔" سیف کے جملے کا یہ جواب قطعی غیر متعلق تھا مگر وہ سوائے خاموشی کے کیا کہہ سکتا تھا۔

...

رگ شعور کا اچھا سرا نہیں ملتا میرے وجود کا کوئی سلسلہ نہیں ملتا جانے کی سب تیاریاں مکمل تھیں۔ امی سیف اور سمن باجی نے مل کر اس کی بھی چیزیں خرید لیں جس سے وہ ہنوز بے خبر تھا۔ نہ ہی اسے اپنی شاپنگ کی فکر تھی۔

سیف سے چھوٹی عاشق اور بڑی دو بہنیں سیما اور نیر تھیں۔ جو کہ شادی شدہ تھیں اب سیف کی باری تھی اور اس کے بعد عاشق کا نمبر تھا۔ سب ہی نے ایک ساتھ جانے کے لئے ریزرویشن کر رکھی تھی۔

حسن صاحب (عاشق کے والد) اور زمان صاحب (سیف کے والد) کو البتہ باپوں والے روز ہی پہنچنا تھا۔ ظاہر کا پچھلے دنوں پنڈی میں ٹرانسفر ہو گیا تھا لہذا وہ ان سب سے پہلے وہاں چلے گئے تھے جس کے باعث پچھو بھی اماں کو بہت آسرا ہوا تھا۔

جانے سے ایک روز قبل ہی انہیں پتا چلا کہ ایک سیٹ چانس پر ہے لہذا کسی نہ کسی کو شاید رکنا پڑے۔ اسی دوران عاشق کے پاس ایک سیریس ہینٹنٹ آگیا۔ اسے چھوڑ کر جانا خود اس کے ضمیر کو کوارہ نہ تھا مگر نہ چھٹیاں تو اس کی اوکے ہو چکی تھیں۔

سیف نے سنا کہ وہ پرکے پر تیار ہے تو دوڑا چلا آیا۔

"تمہیں تو موقع چاہیے تھا سو وہ تمہیں مل گیا۔" وہ جلا بھتا بیٹھا تھا۔ عاشق کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی ابھی ابھی وہ راؤنڈ لگا کر آیا تھا۔

"تو تمہاری جیب سے کیا جا رہا ہے جو تم یوں جزیز ہو رہے ہو۔" اس نے مزید جابایا۔

"ارے تم جیسے بے مروت لوگ کیا سمجھیں گے ہمیں، تم تو ہمیشہ ایسی ہی فضول باتیں کرتا۔" وہ تھلا کر بولا۔

"اچھا پلیز یار اس وقت میرا سر نہ کھاؤ، میں پہلے ہی بری طرح تھکا ہوا ہوں، کل میری ٹائٹ شفٹ تھی

شام کو ان سب کی فلائیٹ تھی۔ چونکہ اس کی سیٹ چائیس پر تھی سو وہ بھی ان سب کے ساتھ گیا مگر حسب توقع اسے واپس آنا پڑا۔

خواجہ ان سب کو پریشان کرنے سے کیا فائدہ ہوگا
- بہارِ رح 98

”اس نے بے بسی سے سر اٹھا کر آسمان کی

خاموشی ہو رہی ہے۔ پھر یہی اماں بھی کیا نہیں
طرف

پاکیزہ پھل ۲۰ مارچ ۹۸

تھیں لہذا زیادہ اصرار کرنا بھی معیوب لگا۔
 ”وہ صاحب بادار نہیں آئے ہیں محترمہ لہذا آپ اپنے پیروں کو خواہ مخواہ تکلیف نہ دیں۔“ سیف نے اسے راستے میں روک کر بلاوجہ چھیڑا ان سب کے آنے کی خوشی میں وہ گیسٹ بند کرنا بھول گئی تھی یا تو آیا تو واپس جا کر بند کر آئی۔ مگر برا ہوا اس گھڑی کا جب سیف نے اسے دوبارہ گیسٹ کی جانب جانا دیکھ لیا۔
 ”میں اس لئے تو نہیں گئی تھی۔“ مارے نفث کہ وہ ٹھیک سے بول بھی نہ سکی سب موجود تھے۔
 ”اونہوں سیف اسے پریشان نہ کرو یہ تم جیسے شیطان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔“ بیکم حسن نے اسے خفیف سا دیکھا تو فوراً حمایت میں بولیں اور اسے خود سے لگا لیا۔
 ”سکھاویں انہیں کچھ عقل ورنہ تو عاشر حسن کے ساتھ گزارا ہوتا مشکل ہو جائے گا۔“ وہ بڑے مزے سے تیلوں بزرگ خواتین اور طاہر کی موجودگی میں بکے چلا گیا۔
 ”میرے خدا۔“ شازمہ کا کانٹو تو لبو نہیں والا حال تھا پہلی فرصت میں یکن کی طرف دوڑ گئی۔
 ”دیکھ میں یہ حال ہے ان کا۔“ اس کی بے ساختہ سی حرکت اور سیف کے جملے پر سب ہنس پڑے مگر سیف مسکرا بھی نہ سکا۔

وہ عاشر حسن کے سخت اور کھدوے مزاج خصوصاً اس دل میں شازمہ کے لئے موجود سرد مہمی سے بہت اچھی طرح واقف تھا۔ اس پر مستزاد شازمہ کا ہر اسال انداز سے مزید متفکر کر گیا۔
 ”یا میرے مالک کیسے چلے گی یہ گاڑی۔“ وہ دل ہی دل میں سوچ کر رہ گیا۔
 شازمہ کوئی بہت گھبرائی شرمائی قسم کی لڑکی نہ تھی مگر ان سب کو اچانک اس طرح دیکھ کر وہ کچھ گھبرا گئی تھی۔ رہی سہی کسر سیف کی باتوں نے پوری کر دی جب کہ دل سے وہ عاشر کی بے رخی اور بے اعتنائی کو اچھی طرح جانتی تھی۔ یہ بھی معلوم تھا اسے کہ اس کی کوئی اور عاشر حسن جیسے پیچھے کو تراش نہیں سکتی اس سنگاخ چٹان میں کوئی در کوئی وزن نہیں بناسکتی لہذا وہ

خود کو آنے والے حالات اور حقیقت کے لئے تیار کر چکی تھی اپنے دل کو اس بات سے واقف کر چکی تھی کہ اس کی دھڑکن عاشر حسن کے دل میں کوئی سر نہیں جگا سکتی۔
 مگر اس نادان دل کا بھی کیا کرتی جو نکاح کے بندھن میں بندھنے کے بعد صرف اسی ہرجائی اور جوا کا نام پکارے چلا جاتا تھا۔

”سیف بھائی سمجھتے ہیں کہ مجھے عاشر کا انتظار ہے مگر میں جیسے بتاؤں اور کس کس کو بتاؤں کہ عاشر کے کسی رویے نے ایسا کوئی انتظار میری آنکھوں میں بسایا ہی نہیں ابو کے انتقال اور نیربائی کی شادی پر انہوں نے مجھے جس طرح نظر انداز کیا اپنے ایک ایک رویے سے میری بے توقیری کا جیسا احساس انہوں نے مجھے دلایا تھا اس کے بعد آس اور امید کا کوئی دروازہ کھلا رہ ہی نہ سکا۔ اپنی نفرت کا ہر تیرا انہوں نے مجھ میں اتار دیا تھا۔

مگر اس میں ان کا تو کوئی قصور نہیں انہوں نے تو سمن بابتی کی خواہش پر سر تھکانے سے بہت پہلے ہی انکار کر دیا تھا۔ کہا تھا مجھ سے کہ میں انکار کروں وہ مجھے کچھ نہیں دے سکیں گے مگر میں ہی اس دل کے آگے پار گئی تھی۔

ہاں قصور تو میرا ہی ہے جو میں نے اپنے دل کی اور اپنے والدین کی خواہش و اصرار پر ایک ان دیکھی اک میں چھلانگ لگا دی جو جلتا بھی اب مجھے ہی ہے۔

میں جانتی ہوں عاشر آئیں گے اور ہوش کی طرح اپنی بے اعتنائی اور نفرت کا زہر میری نس میں اتار کر چلے جائیں گے۔ ناپسندیدگی کا اظہار ایک ایک لفظ سے کریں گے اور مجھے اپنی سنگدل رویے سے مصلوب کریں گے۔ مگر میں پتھر بھی یہ سب سہوں گی۔ کیونکہ باوجود ان تمام باتوں کہ مجھے ان سے محبت ہے۔

ہاں عاشر حسن مجھے تم سے محبت ہے میں چاہوں بھی تو تمہیں بھلا نہیں سکتی تم سے نفرت نہیں کر سکتی۔ چاہے تم میری اتار اور میرے پندار کو بڑھ رہا ہی کیوں نہ کرو۔ میری نسوانیت اور میرے وقار کو

اورج ہی کیوں نہ کرو۔ مجھے مغلوب ہی کیوں نہ کرو۔
 اس کی سفید چمکتی ہوئی شفاف جلد پر آنسو تو اتار سے بہہ رہے تھے۔ اور پٹری کی اس خشک سی شام میں وہ گھٹنوں میں منہ چھپائے دل کا درد بھائے چلی جا رہی تھی۔

~~*

سیف نے سب کو جمعہ کا دن بتا رکھا تھا لہذا ایک دن پہلے ہی نیچے گیسٹ روم صرف عاشر کے لئے صاف کروا دیا گیا۔ وہ اس گھر کا داماد تھا لہذا اس کی حیثیت سب سے الگ اور قدرو منزلت سب سے زیادہ تھی۔

سیف نے اس بات پر بڑا ہنگامہ بچایا کہ اسے بھی عاشر کی طرح الگ کمرہ اور دی آئی ٹی ٹرینٹمنٹ دیا جائے مگر سب نے اسے ٹھیک ٹھاک سنا کر خاموش کر دیا پھر بھی اہاں البتہ اس افتاد پر بری طرح گھبرا گئیں انہیں نتیجے کا مذاق سمجھ نہیں آیا۔ وہ تو اسے سنجیدگی سے دل پر لے بیٹھیں۔ اور بھند ہو گئیں کہ سامنے والا وہ کمرہ جو آج کل خود ان کے استعمال میں تھا سیف کو دے دیا جائے جو مشکل سمجھایا گیا ہر ایک نے حسب استطاعت اسے کھری کھری ستائیں۔

”مجھے معلوم ہوا کہ یہاں ہماری یہ قدر ہے تو ہرگز نہ آتا یہاں۔“ پاس سے گزرتی ہوئی شازمہ کو سنایا تو وہ احساس جزم میں گرفتار ہوئے بنانہ رہ سکی۔

”آپ کے لئے میں ابوجی والا کمرہ کھلا دیتی ہوں سیف بھائی۔“ مارے مروت کے وہ یہی کہہ سکی اس کا ساتھ مزاج سیف کے نقص طبع کو سمجھ نہ سکا۔

”سارے کمرے حاضر ہیں مگر عاشر والے کمرے کا کوئی ذکر ہی نہیں کرتا۔“ وہ شامی ہوتے ہوئے بولا تو وہ سر جھکاتے ہوئے چپ ہو گئی سیف کی شرر نظرس اس کے متفکر چہرے پر چھٹی ہوئی تھیں۔ ذرا توقف کے بعد اس نے کچھ سوچ کر سر اٹھایا۔

”میں امی جان سے بات کر رہی ہوں آپ ان کا کمرہ لے لیں۔“ جانے کیسے وہ کہہ گئی جب کہ اس دشمن جاں کے لئے ایک ایک چیز اپنے ہاتھوں سے سجائی

تھی۔ اس کے مزاج کے مطابق کمرہ الگ تھلک بھی تھا۔
 سیف بے ساختہ ہنس پڑا اس نے الجھ کر اسے دیکھا۔

”کیا کہنے ہیں ان“ کا کمرہ“ وہ ہنسے جا رہا تھا ”اجی مہارک ہو آپ کے“ ان“ کو“ ان“ کا کمرہ“ قصداً ”ان“ پر ہر بار زور دیتے ہوئے وہ خوشی سے بولا تو شازمہ برکی طرح نرج ہو گئی بہت سارا غصہ ایک دم آیا سیف پر۔

”سیف بھائی آپ“ غصے اور کھیاہٹ کے باعث آدھا جملہ منہ ہی رہ گیا۔

”بہت گریٹ ہیں۔“ اس نے کھڑا جوڑا تو وہ اپنے آپ کو سنھالتی ہوئی دوسری طرف چلی گئی۔
 دوسرے روز جمعہ تھا باوجود تمام تر خفیتوں کے وہ اندر ہی اندر بڑی شدت سے نہ چاہتے ہوئے بھی عاشر کی منتظر تھی۔ رہی سہی کسر نامہ سیف عاشر اور نیر نے مل کر پوری کر دی تھی۔ پورا دن وہ زیر عتاب رہی۔

لاکھ اس نے ان سب کی توجہ نامہ کی طرف دلائی مگر اس کے گرد ہی دائرہ تنگ رہا رات کو جا کر کچھ سکون ملا سب اپنے اپنے کمرہ کانون پر جا کر سو گئے تھے۔ مگر شازمہ کی نیند رو بھی ہوئی تھی بل بھی بے تحاشا دھڑکنے لگتا تو بھی باوجود ہی گھبرا اٹھتا۔ کمرہ میں بدل بدل کر جب وہ بری طرح عاجز آئی تو پیاس نے ستانا شروع کر دیا۔

چن چونکہ نیچے تھا سو نیچے اتار دیا فریج سے پانی نکال کر پیا اوپر آئے گی تو نظر عاشر کے لئے سیٹھ گئے گئے کیٹ روم پر پڑی بلا ارادہ ہی قدم اندر کی طرف اٹھتے چلے گئے۔

بلیو گھر کا زبرد پار کا بلبل اپنی خواب ناک سی روشنی پھیلا رہا تھا اس کی نظر پٹ کے دائیں طرف رکھی عاشر کی فریم شدہ تصویر پر پڑی جسے سمن نے آج ہی یہاں لا کر سجایا تھا۔

”عاشر حسن۔“ بے آواز قدموں سے چلتی تصویر تک آئی اور اس کے سامنے کا پٹ پر گھٹنوں کے بل

بیٹھ گئی۔
رات کو چوکیدار ہوتا تھا گیت پر ان کا برسوں پرانا
چوکیدار تھا سارے خاندان سے واقف تھا لہذا اعلیٰ
خان صاحب کی وفات کے بعد وہ ان تینوں ماں بیٹیوں کا
بڑا خیال رکھتا تھا۔ عاشر کو چہرے سے جانتا تھا۔ لہذا
اتنی رات کو اس کی ہلکی سی دستک پر اٹھ کر گیت سے
باہر جھانکا اور اسے دیکھ کر دروازہ کھول دیا۔
”او آو عاشر صاحب خوش آمدید خوش آمدید۔“
بوڑھے چوکیدار نے جس خلوص سے استقبال کیا وہ
بہت زیادہ حیران ہوا کیونکہ اتنے سالوں بعد بھی وہ
اسے ایک نظر میں اندھیرا ہونے کے باوجود پہچان گیا
تھا۔

”السلام علیکم خان بابا۔“ پر جوش مصافحہ کرتے
ہوئے اس نے بھی بڑی عزت سے سلام کیا جواب
میں خان بابا نے بڑی محبت سے اس کا کندھا تھمتایا۔
”میرے آنے کی کسی کو خبر کرنے کی ضرورت
نہیں تھی سب پریشان ہوں گے بس مجھے بیہ روم
تک پہنچائیں۔“ ٹھٹھکی پر نظر دوڑاتے ہوئے اس نے
کسی کو زحمت نہ دینے کا فیصلہ کیا اور خان بابا سے کہا تو
وہ ذرا تامل کے بعد اسے گیت روم تک لاکر چھوڑ
گئے۔

چالی کے ذریعے مرکزی دروازہ غیر مقفل کیا چھو بھی
اماں کو خان بابا بہت اعتبار تھا لہذا ان کے پاس بھی
ایک چالی رہتی تھی۔ تاکہ بوقت کسی اہم ضرورت کے
اندر آسکیں۔

”آپ آرام کریں“ اگر کسی شے کی ضرورت ہو تو
ہم کو بلا لیتا۔“ خان بابا بڑی اہمیت سے کہہ کر چلا گیا۔
جانے کب تک تیری تصویر نگاہوں میں رہی
ہوگئی رات تیرے عکس کو تکتے تکتے
میں نے پھر تیرے تصور کے کسی لمحے میں
تیری تصویر پر لب رکھ دیئے آہستہ سے
آواز کی دلنشینی پر اس کے اچھے قدم ٹھٹھک
گئے۔ رات کے خاموش سائے میں کمرے سے آتی
ہوئی آواز اس کے اندر تک اتر گئی۔
وہ بیٹا آہٹ کیے دروازے سے اندر چلا آیا۔ کمرے

میں زیر پاؤں بلب کی روشنی کے باوجود ملگیا اندھیرا تھا۔
آنکھیں چند ثانیے بعد اندھیرے میں دیکھنے کی عادی
ہو سکیں۔

کوئی اس کی طرف پشت کے کارپٹ پر دو زانو بیٹھا
تھا۔ غور کرنے پر احساس ہوا کہ پشت پر لڑاتے تھے
سیاہ آبشار جیسے بالوں میں چھپی وہ کوئی لڑکی تھی۔
”شازمہ۔“ سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں یہ نام ذہن
میں گونج گیا۔

اس کو سمجھ نہ آیا کہ پہلے لائٹ جلائے یا اسے
مخاطب کرے۔ وہ شاید خود میں ہی طرح گم تھی جیسی
گیت کھلنے کی آواز اور اس کی خوشبو محسوس نہ
کر سکی۔

عاشر نے پہلے اسے مطلع کرنے کا فیصلہ کیا اور
مضبوط قدموں سے چلتا اس کے پیچھے آکھڑا ہوا۔ جانتا
تھا کہ اگر اچانک اس نے لائٹ جلائی تو وہ اسے دیکھ کر
ضرور چیخ مار دے گی۔ سامنے ہی چھو بھی بیگم کا کمرہ تھا
اگر وہ اٹھ جائیں تو سب کو زبردستی اٹھا کر محض اس کی
خاطر زحمت دیتیں جو کہ اسے گوارہ نہ تھا۔

گیت کے تحت تھوڑا سا جھک کر دیکھا وہ واقعی
شازمہ ہی تھی۔ اس کی تصویر دونوں ہاتھوں میں
تھامے وہ اس اٹھماک سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کہ
ایک لمحے کے لئے عاشر حسن کا دل ٹہر گیا۔ چاہے
جانے کی فطری خواہش تو بہت پہلے نوریہ واسطی کی
طویل پوری ہوئی تھی مگر آج بہت دنوں بعد باوجود
سیف کی لاکھ بار ناویلیں پیش کرنے کے اپنی آنکھوں
سے یہ سب دیکھ کر وہ واقعی خود میں عجیب سا محسوس
کرتے لگا۔

”وہ لڑکی تجھے نوٹ کر چاہتی ہے عاشر۔“ سیف کا
جملہ سامعین میں گونجا۔

اس نے سر جھٹک کر شازمہ کو دیکھا جس کا چہرہ گئے
بالوں کے آبشار میں اب تک جمیا ہوا تھا۔

”ایکس کیو زی۔“ اس نے کمر درے اور پتھر لیے
لبے میں کچھ ایسی سختی سے کہا کہ اس کی تصویر سے اس
کے خدو خال اپنی بصارتوں میں محفوظ کرتی وہ برف کی
سی تیزی سے اٹھی اور ایک جھٹکے سے مڑی ساری

الیں ایک جانب کو آئیں۔
”آپ۔“ اس کی منہ سے چیخ نکلتی ہی والی تھی
کا عاشر نے آگے بڑھ کر ہاتھ اس کے لبوں پر رکھ

”چیننے کی ضرورت نہیں میں عاشر ہوں۔“ وہ
شازمہ سے بولتا نروس اور سرسبز سی شازمہ کو مزید
سایا۔ ایک ہاتھ سے اس کا بازو سختی سے پکڑ رکھا تھا
اسے اس کے لبوں پر تھا وہ اس کی اتنی قوت پاکر
اس کو ہونے لگی۔ پینہ اس کے روم روم سے پھوٹ

”آواز مت نکالنا۔“ اسے ایک جھٹکے سے چھوڑ کر
ارک دیتا وہ پلٹا اور لائٹ جلا دی شازمہ نے قریب
کھڑی الماری سے بے اختیار سہارا لیا اور ہانپتے
ہوئے آنکھیں موند لیں۔

جانے کب کے ٹھہرے آنسو بہتے لکے عاشر پلٹا تو وہ
تھکے میں تصویر مضبوطی سے پکڑے بڑی ناگفتہ بہ
ہاتھ میں کھڑی تھی۔ شاید شادی مرگ کی کیفیت

تھکے سلکی بالوں کا آبشار ایک طرف کو آیا ہوا تھا
اس کی شفاف شیشے ایسی جلد پر آنسوؤں کے دو
لمبے موتیوں کی مانند لگ رہے تھے۔

وہ یقیناً حیران رہ گیا۔ سمن کے بقول واقعی وہ
ایک پاک حد تک دلکش اور دلنشین ہو گئی تھی۔ لائٹ
اس نے بدقت خود کو سنبھالا اور اس کی طرف
بڑھ کر تے ہوئے تصویر جگہ پر رکھ دی۔ اور بڑی
مخاطب اور قدرے مسرور سی چلی مگر اس مسرت میں
شازمہ کی بہت تھی۔

”آپ توکل آنے والے تھے۔؟“ وہ خود کو اس
کے کمرے میں یوں رہنے ہاتھوں پکڑا جانے پر بری

”اگر میرا اتنا احساس نہیں لگا تو چلا جاتا ہوں۔“ وہ پکڑ کر
اسے میں بولا۔ ”اگرچہ تو ازمد قسم رکھی، تزیل کے
اساس سے اسے پکلیں اٹھانا مشکل ہو گیا۔

”میں اب تمناں چاہتا ہوں۔“ اس کے درشت
لہلہ اسے اس کی ”قدر“ صاف بتادی۔

”کھانا کھائیں گے آپ؟۔“ اس کی تلخ نواہی کے
بعد وہ پھر بھی آواز میں بیانی نہ بھولی۔
”نہیں میں اس وقت صرف سونا چاہتا
ہوں۔“ اس نے دو ٹوک انداز میں کہا اور واش روم کی
طرف بڑھتے ہوئے ذرا سہارا کا۔

”ناگوار خاطر نہ ہو تو ایک عدد تولیہ دے جائیے۔“
ٹاول اسٹینڈ کو خالی دیکھ کر عجیب بے گانگی سے محکم
بھرے تھے میں بولا تو وہ سر کو خفیف سی جنبش دیتی سر
جھکائے باہر نکل گئی۔

عاشر نے دیکھا اس کا پورا حسین وجود کسی آنسو کی
طرح لرزیدہ اور متورم تھا اسے لمحے بھر کے لئے ضمیر
نے اپنی اخلاقی کارروائی پر تادم کیا مگر جو سی اسے واپس
آنا دیکھا اس کے دل میں پھر وہی جذبات سر اٹھانے
لگے۔ ”تبد اور پتھر لیے جذبات۔“

”بیبی۔“ اس کے ہاتھ میں تولیہ اور صابن تھا، عاشر
نے سرواندا میں دونوں چیزیں لے لیں اور بتا کچھ کے
اس کی طرف سے رخ موڑ لیا۔ گویا جانے کا اشارہ دیا۔
پچن کی طرف آئے ہوئے اس کی آنکھیں کئی بار
دھند سے بھر گئیں۔ مگر وہ ضبط کی نہ جانے کتنی منزلوں
سے گزرتی خود کو سنبھالتی چائے بنانے لگی۔

وہ گرم گرم شاور لے کر تولیے سے بال رگڑتا باہر
نکلا تو نظر دروازے سے اندر آتی بڑے نبھال کر سائیڈ
ٹیمبل پر رکھی شازمہ پر بلا ارادہ ہی اٹھی اور تک گئی۔

وہ اس کی طرف دیکھے بنا نہایت خاموشی سے چائے
بناتی تھی۔ چینی ڈالتے ہوئے ایک لحظے کے لیے
وہ ٹھٹھکی اور پھر اس کے حسب نشا آؤھا چھو ڈال
کر اٹھ کھڑی ہوئی اس وقت چائے کی شدید طلب
تھی۔ وہ دل ہی دل میں اس کا شکر گزار ہوا اور قدرے
حیران بھی وہ اب تک اس کی عادتیں یاد رکھی ہوئی
تھی۔

”چائے۔“ اس نے کپ اس کی طرف بڑھایا تو بلا
ارادہ ہی نظر عاشر کے خوبصورت مرنے والے چہرے کی
طرف اٹھ گئی اتنی سرومہی تھی اس کے انداز میں کہ
وہ رنج کی بھرپور کیفیت خود پر طاری ہوتا محسوس کر کے
دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”کسی کو میرے آنے کی اطلاع دینے کی ضرورت نہیں“ میں خود صبح سب سے مل لوں گا۔ اندر اسٹینڈ اور اب آپ جا سکتی ہیں“ اس کا کات وار لہجہ اتنی تندی لے لے ہوئے تھا کہ وہ بے اختیار ہونٹوں کو بھیج کر سسکی روکتے ہوئے باہر کی طرف دوڑ گئی۔

ایک بار پھر وہ پشیمان ہو گیا تیزی سے پلٹی واپس بلو سوٹ پر سفید شال اوڑھے گئے بالوں میں چھپی وہ اپنے آنسو روکنے کی کوشش میں بے حال ہوئی یکدم اسے متاسف کر گئی۔

”کچھ لوگوں کی قسمت میں محبت نہیں ہوتی شازمہ“ وہ سدا ہی خود رو چھاڑیوں کی طرح خار خار رہتے ہیں اور بن پالی کے ایک دن آپ ہی آپ مر جاتے ہیں ان پر ہمارا کاموسم بھی نہیں آتا پیاران کی میراث بھی نہیں بن پاتا۔ جیسے میں اور جیسے تم کہ تم میری زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہونے کے باوجود میری محبت سے محروم ہو اور میں جسے نویرہ واسطی کی بے انتہا چاہت حاصل نہ ہو سکی۔“

چائے کا مک ہونٹوں سے لگائے وہ چائے کیا کیا سوچے گیا۔ چائے بہت اچھی اور اسڑانگ تھی اس کی آدمی تھکن تو جیسے اتڑی گئی گائیٹ آف کر کے وہ بند رہتا تو سفر کی تھکان نئے سرے سے وجود پر چھانے لگی۔ آنکھیں موندیں تو کچھ دیر پہلے کا منظر اس کی نظر میں گھوم گیا۔

شازمہ کا بازو تمام کر اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے اس کے حسین رہی بالوں کی سرسراہٹ اسے اب تک اپنی ہتھیلیوں پر محسوس ہو رہی تھی جو اس کا بازو پکڑتے ہوئے گرفت میں آگئے تھے۔

”شازمہ“ اس نے غصے سے مٹھیاں بھیجنے لیں اور کروٹ بدل کر خود کو مزید کچھ سوچنے سے باز رکھتے ہوئے بازو آنکھوں پر رکھ لیا اور جانے کس وقت اسے نیند آگئی۔

کچھ ایسی برف تھی اس کی نظر میں گزرنے کے لئے راستہ نہیں تھا۔ کتن شازمہ کے بے آواز آنسوؤں سے بھیگتا چلا

جا رہا تھا۔ عاشر کا رویہ بری طرح چپکے لگا رہا تھا اسے اذیت پھرنے سے اسے محسوس ہونے لگی تھی۔ ”میں جانتی تھی کہ ایسا ہو گا پھر کیوں اتنی آزار دہی ہوئی میں کیوں نہیں حقیقت کو فیس کر پاتی کہ میں عاشر حسن کی نفرت کے ہی لائق ہوں وہ مجھے نہیں مار سکتے کیوں نہیں میرا دل اس بات پر بھرجا تا کہ میں ان چاہی“ ہوں ”ان وانظرو“ ہوں گے میں بڑا طوطا اور بیروں میں بڑی بیڑیاں ہوں“ قابل نفرت ہی ہے میرا وجود مجھے بھلائیے چاہا جا سکتا ہے۔“

وہ ہلک ہلک کر رو رہی تھی ڈرائنگ روم کے کونے کمرے میں اس کی آواز اندر ہی گھٹ رہی تھی اور وہاں ہی خاموش سناٹا تھا جیسا کہ عاشر کے آنے سے قبل تھا۔ البتہ اب اسے سنانے میں اپنی سسکیاں اور اس کی تنہا توایاں گھلتی محسوس ہو رہی تھیں۔ ”عاشر نے مجھے دس اون کر دیا ہے یہ سچ ہے“ کتنی اذیت رساں ہے یہ حقیقت تم قابل ہے۔“ چلائی۔

بتا رہی ہیں یہ آنکھیں وہ رات سویا نہیں ہجوم کرب تھا دل میں مگر وہ رویا نہیں سیف نے یکن میں جھانک کر اسے ناشتہ بناتے دیکھ کر بے اختیار یہ شعر پڑھ دیا۔ اس کی آنکھیں سراسر انکار ہو رہی تھیں۔

”نہیں میرا خیال ہے کہ دوسرا مصرعہ کچھ غلط ہو گیا ہے۔“ وہ سنجیدگی اور تشویش کے لیے اس کے قریب آگیا۔

”تم رات بھر سوئیں نہیں یا روتی رہی“ شازمہ۔ ”وہ کڑا استفسار کے استفسامی نظریں اسے جمائے کھڑا تھا۔ صبح سے سب کو ایک ایک کر کے بمشکل وہ اپنے جھوٹ کا یقین دلاتی کہ اس کی آنکھیں رات سے دکھ رہی ہیں۔ اب شش و پنج میں گھڑی سیف کو بال کی کھال امارنے کی عادت تھی۔

فوری طور پر اس نے کوئی تاثر یا جواب نہیں دیا بلکہ سیف کی باتوں سے قطع نظر پوچھنے لگی۔ ”آلیٹ کھائیں گے سیف بھائی یا پراٹھے

قیہ لیں گے“ ”اودھو دیکھو لڑکی۔“ سیف نے شانے سے پکڑ کر اس رخ اپنی جانب پھیرا۔

”کیا ہوا ہے نہیں؟“ اس کا لہجہ مشکوک اور کچھ متلاشی سا تھا جیسے کنول کٹوروں میں خون رنگ سرخی کے پیچھے چھپی کمانی جان لیتا چاہتا ہو۔

”اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں سیف“ اور تم کیوں بلا وجہ اسے تنگ کرنے چلے آئے ہو۔“ سیمائے اندر آتے ہوئے سیف کو فحاشی انداز میں کھوڑا۔

”ہوں تو گویا ڈاکٹر کی ضرورت ہے۔“ اس کا سر معنی خیز انداز میں ہلا سیمائے کے پیچھے اندر آتی سمن بے اختیار دس دس البتہ شازمہ پٹپٹاتے ہوئے گرم گرم پراٹھوں سے انگلیاں جلا بیٹھی۔

”اف۔“ ہونٹ اندر اتوں تے دبا کر سسکی روکی۔ ”کیا ہوا؟ کیا ہاتھ جل گیا۔“ سیمائے سمن متوحش ہو کر لپکیں سیف بھی بوکھلایا۔

”نن میں اتنی زیادہ تکلیف نہیں ہوئی۔“ اس نے سمن کا برہما ہوا ہاتھ نظر انداز کر کے جلدی سے انگلیاں پانی سے دھو ڈالیں۔

”نویرہ جی تکلیف نکل آئی محترمہ میں کہتا ہوں کہ میچا کے آنے سے پہلے زخموں اور تپاریوں کی لٹ میں اضافہ نہ کریں کیونکہ وہ ایک انتہائی مہنگے ڈاکٹر ہیں سیمائے بن آئے گا پھر آپ کی طرف گھڑا بہتر یہی ہے کہ آج اتنے پر ہی اکتفا کریں۔“ سیف خوشی سے کہنے چلا جا رہا تھا۔

”توبہ ہے سیف کم بولا کرو ذرا داغ چاٹ گئے ہو تم اس کا۔“ سیمائے چڑ کر اسے کھوڑا۔

”میں بھلا ایسی چیز کیسے چاٹ سکتا ہوں جس کا سر سے وجود ہی نہیں۔“ وہ تھوڑا متعجب ہوا۔

”بہت برا ناظر ہے مجھے تم“ اور اب تم باہر جا کر ناشتا کرو“ خواجہ اہ اسے لیکن مت کرو یہاں کھڑے کھڑے“ سمن نے بھی کہہ کا تو وہ بڑی ڈھٹائی سے بالوں پر ہاتھ پھرنا شازمہ سے یہ کہہ کر باہر نکل گیا کہ۔

”علاج آج آپ اپنے میچا دس راج عاشر حسن سے ہی کرائیے گا یقین کریں بڑی موافق آئے گی ان کی چارہ

گری۔“ ان دونوں سے مسکراہٹ دہانی مشکل نہ مگر فراننگ بین میں چچہ چلاتے ہوئے شازمہ نے آنسو ایک مرتبہ پھر پلوں سے اٹھنے لگے۔

”واؤ“ عاشر تم کب آئے۔“ وہ سب ایک ساتھ ڈانٹنگ روم میں جمع ناشتہ کر رہے تھے کہ اسے آنکھ کھ کر بے اختیار رانہ کر پوچھی سے بچا گئے۔

عاشر نے ایک نظر گھبرا کر کھنٹی ہو جانے والی شازمہ پر ڈالی۔ سیف نے پہلی فرصت میں اس کی نگاہوں کا تعاقب کیا شازمہ کی کپڑا حواسی اسے ٹھٹھکا گئی۔

نگاہ شوق کی تھیں بدحواسیاں ورنہ غالب ہزار بار وہ محفل میں بے نقاب آیا خوشی سے کھنکھار کر اس نے شازمہ کو توجہ کیا تو سب ہی متوجہ ہو گئے عاشر نے ان سنی کرنا پھوپھی اماں“ چچی بیگم اور امی کی طرف برہہ کیا پھوپھی اماں نے بیٹہ کی طرح محبت سے اس کی پیشانی چوم لی ظاہر بھائی سے بڑے دن بعد ملاقات ہوئی تو اس نے کھینچ کر انہیں سینے سے لگالیا۔

”کسے ہیں ظاہر بھائی آپ۔“ وہ پوچھ رہا تھا۔ ”پاکل آئے دن۔“ وہ نے ”آؤ ناشتہ کرو“ اس کے لئے جگہ کرنے کے لیے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی ہنسی کو اٹھا کر گود میں بٹھالیا۔ وہ سب کو چھوڑ کر امی اور پھوپھی اماں کی طرف آ بیٹھا اور بڑے مزے سے ان کی صحبتیں سمیٹتا رہا۔

شازمہ سے مزید ناشتہ نہ ہو سکا وہ چائے کا بہانہ کر کے یکن میں اٹھ آئی۔

”لگتا ہے رات بہت دیر سے آئے تم۔“ سیف نے اسے پھوپھی اماں سے باتوں میں لگا دیکھ کر قدرے صبر سے انتظار کرنے کے بعد پوچھا۔

”ہاں۔“ اس کا انداز ساہو تھا۔

”لگتا ہے رات کو ہی شرف بار پالی بخش دیا تھا آپ نے۔“ وہ ناشتہ کرنے پھوپھی اماں کے کہنے پر ظاہر بھائی اور سیف کے درمیان آکر بیٹھا تو سیف نے دانت پیس کر استفسار کیا اس نے حض ایک خفا سی نظر اس پر ڈالی۔

"کیا مطلب؟" اس کی بھنوس تن گئیں۔
 "مطلب تم اس کی سرخ ہوتی آنکھوں سے پوچھو
 جن میں برسات کا موسم تمہارے طفیل پر اجماع ہوا
 ہے اور وہ بے چاری تو یہ بھی نہیں بتا رہی کہ وہ رات
 بھر جاگتی ہے روتی ہے اور تڑپتی ہے۔" اپنی آواز کو
 بشکل دھیمے کی سیف اس پر برس رہا تھا۔
 "ناشتہ کرو یہ کیا کھس پھس کر رہی ہے" بیگم
 رحمان نے بیٹے کو سر زلش کی۔
 "کچھ حساب لگتا ہے اماں اس کی طرف وہ یاد دل رہا
 ہوں۔" سیف نے ماں کو دیکھ کر جبراً مسکراتے ہوئے
 کہہ کر اسے گھورا۔
 "حساب کتاب بعد کے لئے اٹھا رکھو بچے اس
 وقت آرام سے کھانے پر توجہ دو۔" چوپچی اماں نے
 شفقت اور متانت سے کہا۔
 "اگر بات کو بعد پر ٹال دیا تو بہت دیر ہو جائے گی
 پوچھی اماں۔" وہ سنجیدگی میں ڈوبا بے اختیار کہہ گیا۔
 سب نے یکدم فکرت سے اسے دیکھا تو عاشق کی تنبیہ بھی
 نگاہوں کا خیال کرتے ہی وہ شوخ سا تاثر چہرے پر لا کر
 ان سب کو مطمئن کر گیا۔
 "شازمہ کہاں ہے؟" ارے بچی نے ناشتہ نہیں
 کیا؟ بیگم حسن کو ہلکی فکر لگ گئی۔
 "وہ بہت اچھی طرح سیر ہو چکی ہے چچی بیگم اسے
 آج کاراشن مل گیا ہے" سیف کی زبان پھر چپکی وہ طنز
 آمیز شوخی سے کہہ رہا تھا۔
 "کیا کہہ رہے ہو بیٹا؟ وہ تو ذرا کی ذرا یہاں آئی تھی
 کہ پھر چل دی۔" بیگم حسن متعجب ہو گئیں۔
 "اسی میں عاقبت ہے چچی بیگم۔" وہ ہنسا اور اٹھا کر
 گلاس منہ سے لگایا۔ عاشق نے بری طرح کھول کر
 دانت پیٹتے ہوئے شعلہ بار نگاہیں اس پر ڈالیں مگر ادھر
 بے نیازی عروج پر تھی۔
 "ناعمہ نے اسے دو تین آوازیں لگا تار دے ڈالیں تو
 "مر آئیائے کرتا" کے مصداق وہ بوجھل دل اور تھکے
 تھکے قدموں سے باہر آئی۔
 "ادھر آؤ بیٹا یہاں بیٹھ کر ناشتہ کر لو۔" بیگم حسن
 نے اس کی کھانسی پکڑ کر کہا اور پھر بری طرح چوم گئیں

اس کا ہاتھ تو جیسے جل رہا تھا۔
 "کیا ہوا شازمہ بچے تم تو بری طرح بخار میں تپ
 رہی ہو۔" وہ گھبرا کر اسے خود سے قریب بٹھائے
 ہوئے پولیس تو سب ہی حسب توقع پریشان ہو گئے۔
 "نہن۔ نہیں ممائی جان میں ٹھیک ہوں۔" وہ
 عاشق کی موجودگی سے ہر اس اناک اناک کرپولی کن
 انکھوں سے دیکھا اس کے چہرے کا تناؤ مزید بڑھ گیا
 تھا۔
 "کوئی ٹھیک نہیں ہو تم۔" طاہر نے آگے بڑھ کر
 نبض ٹٹولی۔
 "بالکل ٹھیک کہا آپ نے" طاہر بھائی دیکھیں تو
 آنکھیں بھی سرخ ہو رہی ہیں۔" عاشق جھٹ بولی۔
 "ہاتھ بھی جلا لیا ہے اس نے۔" سمن نے ہمدردی
 سے کہا سب ہی شروع ہو گئے تو وہ بدحواس ہو کر ماں
 کے شفیق سینے میں سر کھسا کر پریشان ہوا گئی۔
 "عاشق تم چیک کرو آگے۔" تیرے جلدی سے
 اسے پکارا تو وہ محل سے کام لیتا اٹھ گیا۔
 تمام باتوں سے قطع نظر بہر حال وہ ایک ڈاکٹر تھا اور
 شازمہ کے مشکل چہرے کو دیکھ کر اسے بھی اندازہ تھا
 کہ وہ ٹھیک نہیں طاہر بھائی نے اس کے لیے چکے بنائی
 تو وہ چوپچی اماں کے سینے سے لگی شازمہ کے پاس چلا
 آیا۔
 "ہاتھ دکھاؤ شازمہ۔" بیگم زبان نے اسے پککارا۔
 "ذرا کرارہا سا۔" سیف کی برجستگی مسکراتے پر
 مجبور کر گئی۔ مگر وہ چوپچی اماں کے سینے سے لگی بے
 اختیار سی ہو کر رو دی۔
 "میں ٹھیک ہوں امی میں بالکل ٹھیک ہوں مجھے
 کچھ نہیں ہوا مجھے کچھ نہیں ہوا۔" وہ تڑپ تڑپ کر
 روتی تو سب تشویش زدہ ہو گئے سیف نے طاہر
 سے بھرپور نظر عاشق پر ڈالی وہ خاموش قدموں سے لان
 کی طرف نکل گیا۔
 "سمن کے جانے کا اثر لیا ہے بچی نے۔" بیگم زبان
 نے تڑد سے کہا۔ سمن اسے لاؤنچ میں لے آئیں۔
 "دکھائیں عاشق کو شازمہ،" خواجہ خواہ میں شرما گئیں
 تم ایسا موقع بار بار تو ہمیں ملتا تھا۔" تیرا ہے چھیڑ رہی

میں سب وہیں آ گئے۔
 "اور نہیں تو کیا" عاشق بھائی ذرا ماتھے کو چھو لیتے تو
 روح تک اتر جاتی تاثر سیجائی کی۔" عاشق نے بھی
 لیا۔ سب بس بڑے۔
 "اس سیجائی کی تاثر تو میرے روم روم میں بس گئی
 ہے عاشق مگر تم نہیں سمجھ سکو۔" وہ خود پر طنز سے
 دل ہی دل میں ہنس پڑی۔
 ہوں کی ہدایت پر اسے عاشق کی تجویز کر دے وہ اوپر
 دی گئی تھی جسے اس نے بڑی بے دلی سے دیکھ کر ایک
 طرف ڈال دیا تھا۔ بیگم حسن پوچھی اماں کو زبردستی
 اس کے ساتھ اوپر لے گئیں خواجہ خواہ وہ پریشان ہو رہی
 تھیں۔
 "کھالو لڑکی یہ تمہارے سرتاج کی تجویز کر رہا ہے؟
 ہاں ہاں لو کیس بن جاؤ گی اسے کھا کر۔" سیمارم دودھ
 لے آئیں۔
 "میں ٹھیک ہوں سیمابائی۔" وہ مدھم سروں میں
 لے لو گزیا، بلاوجہ ضد نہیں کرتے۔" ناعمہ نے
 اسے کندھے سے لگایا۔ تو بے اختیار نہ وہ پھوٹ
 پھوٹ کر رو دی، کچھ دیر تو ناعمہ اسے خاموش کرانی
 دی پھر خود پر ضبط نہ ہو سکا تو وہ بھی بارش کا بادل بن
 گئی پھر آج کل تو جیوانی کے موسم کے باعث عجیب
 اور اسی طول کر گئی تھی خود میں۔
 سمن سیمارم نے یہی آنکھیں بھی جھلکا گئیں یہ درد
 وہ بھی اٹھا چکی تھیں عاشق البتہ وقفے وقفے سے ان
 باتوں کو چھیڑ رہی تھی چپ کرانے کی سعی میں لگی
 "اوہو" بھئی یہاں تو نہیں جاری ہو رہی ہیں۔"
 "پھر اور سیف نے اندر آتے ہی ٹھہرا ہٹ کا مظاہرہ کیا"
 ان دونوں پر اثر نہ تھا۔
 "میں یہ ناعمہ کا رونا تو سمجھ آتا ہے طاہر ہے سیکھ
 لو لڑ رہا ہے اس کا دکھ ہے مگر یہ اپنی شازمہ بی بی
 کی دیرپائی میں غطفانی لانے کے روپ ہے۔"
 "میں بھی حسب مقدور دونوں کے آنسو روکتے کی
 کوشش کی جب ناکام ہو گئے تو ان کا ذہن بنانے کو

شرارت سے سوال ہوئے۔
 "اصل میں شازمہ کے آنسو اس بات کی شکایت
 کر رہے ہیں کہ آخر اسے کیوں نہیں دوا کیا جا رہا۔"
 عاشق نے سادی سے پر شوخ لہجے میں کہا تو آنسوؤں کو
 بے دردی سے بہاتی شازمہ بری طرح جو تک گئی۔
 بہت درد سے سب کے ہنسنے مسکراتے ہنساں
 چروں پر نظر ڈالی بنا کچھ کے چند ٹانھے ہونٹ کاٹ کر
 خود پر ضبط کرنے کی کوشش کی مگر اندر کی چیخیں اسے
 بے حال کر گئیں تو تقریباً "دوڑتے ہوئے وہ کمرے
 سے نکلی اوپر کی طرف جانے والی بیڑھیوں سے گزر کر
 جانا ہی چاہتی تھی کہ دروازے سے اندر آتے عاشق
 سے ٹکرائی۔
 "اوہ۔" آنسوؤں کی دھند اور بخار کی کنوڑی سے
 ویسے ہی سب کچھ دھندلا گیا تھا وہ گرنے کو تھی کہ عاشق
 نے اس کے جھپٹے ہوئے وجود کو سنبھالا۔
 "شازمہ۔" عاشق نے نرمی سے اسے ہلایا مگر وہ بے
 ہوش ہو چکی تھی۔
 "باہ شازی۔" سمن اور سیمارم ڈی جلی آئیں وہ
 اب تک بے ہوش عاشق کی بانہوں میں تھی۔
 "اسے کمرے میں لے چلو۔" طاہر اور سیف
 سمیت نبر اور عاشق بھی چلی آئیں۔
 "اٹھا میں اسے۔" عاشق نے سرعت سے گرتی
 ہوئی شازمہ کو سنبھالنے کے لئے سمن سے کہا۔ طاہر
 اور سمن کی موجودگی میں وہ جھجھک گیا تھا۔
 "ہوش کرو شازی، پلیز اسے اندر لے چلو عاشق۔"
 ناعمہ نے تڑپ کر کہا تو وہ سب کچھ بھول کر اس کے
 پھول ایسے وجود کو اپنے مضبوط بازوؤں پر اٹھا کر اندر
 لے آیا۔
 سامنے اس کا ہی کمرہ تھا بیڑھیوں کے سب سے
 نزدیک سووہ بو کھلا ہٹ میں ادھر ہی چلے آئے وہ اپنا
 میڈیکل باکس بیٹھ ساتھ رکھتا تھا۔ پہلی فرصت میں
 اسے چیک کیا اور سکون کا انجکشن لگا کر ان سب کی
 طرف پلٹا جو منتظر اور حائل بیٹھے تھے۔
 یہ تو اچھا تھا کہ تینوں بزرگ خواتین اور ناعمہ کی
 چھوٹی گزرتی سیمارم اور تیرکی بچیوں سمیت اوپر چلی گئی

تھیں۔ ورنہ تو پھر بھی اہل کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔
 ”تھوڑی دیر بعد بخارا تر جائے گا تو ٹھیک ہو جائے گا سب کچھ۔ اب لوگ پریشان نہ ہوں دو تین گھنٹے بعد ہوش بھی آجائے گا“ تروٹی ضرورت نہیں۔ ”اس کی ٹون خود بخود رویشل ہو گئی۔
 ”اوہ میرے خدا میں تو ڈر گئی تھی۔“ ناعمہ نے سکون سے گہرا سانس بھرا۔
 ”اور تم رو رو کر اسے بھی بلان کر دو تو ہونا ہی تھا۔“ سمن نے اسے سرزنش کی تو وہ محض سر جھکا کر رہ گئی۔
 ”اسے سونے دو تم سب باہر چلو۔“ سیانے اٹھتے ہوئے سب طائرانہ نظر ڈالی۔
 ”گویا یہ حکم عام ہے، سیما باجی۔“ سیف نے نہ سمجھنے والے انداز میں کان بھجایا۔
 ”کیا مطلب؟“ سب استفسامی نظریں اس پر مرکوز کرتے ہوئے بولے۔
 ”مطلب یہ کہ کم از کم کوئی تیار دار، کوئی چارہ ساز کوئی ہمدرد ہوتا ہوتا چاہیے۔“ اس نے مسکرا کر وضاحت کی سب مسکرا اٹھے۔
 ”عاشق نے محوم کر اسے دیکھا مگر وہ صاف نظر چرا کر انجان بن گیا۔
 ”ہوں اس پوائنٹ پر بھی سوچنا چاہیے مگر فی الحال اتنی چارہ گری ہی کافی ہے، بقیہ اس کے اٹھنے پر دیکھا جائے گا یوں بھی وہ اس کمرے میں ہے یاں یہ تصویر پڑی ہے سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ تیرنے قہقہہ لگاتے ہوئے عاشق کو چھیننے کی غرض سے کما توہ نازل انداز میں اٹھ کر گیا۔
 ”تم لوگ تو دونوں کا ناقدہ بند کرو گے۔“ طاہر نے نفاشی انداز میں سب کو دیکھا اور عاشق کے پیچھے چل دیے سب باری باری باہر نکل آئے سوائے ناعمہ کے جسے سخت تشویش تھی سو سمن نے اسے اندر ہی رہنے دیا۔ اور باہر اگر دو روزہ آہستہ سے بند کر دیا۔
 ”رم کرو عاشق اس پر اذیت کے صحرا میں یوں آبلہ پانی کی سزا نہ دو اسے۔“ موقع ملے ہی سیف اس کی کمرنگی کے لئے تن کھڑا ہوا۔

”وہ بہت کمزور لڑکی ہے عاشق سمجھ نہیں سکے گی۔“ اس کا لہجہ برورد تھا۔
 ”عاشق محض ایک نظر اسے دیکھ کر رہ گیا۔“ غالیہ ندامت اور بے بسی سے ان گنت احساسات سے لہرا رہی تھی۔
 ”پلیز سیف میں پہلے ہی سخت اپ سیٹ ہوں مجھے مزید تنگ مت کرو۔“ وہ تھکا تھکا سا بولا۔
 ”میں پریشان ہوں مجھے اور پریشان نہ کرو۔“ عاشق دور سے گنگنائی چلی آئی بات کا تو پتا نہیں تھا بس عاشق کے جملے سر دھننا شروع کر دیا۔
 ”ویسے عاشق بھائی آپ کا تو پریشان ہونا بجا بھی ہے۔ کیوں سیف بھائی۔“ اس نے قریب آکر غنگنائی سے کہہ کر سیف سے نائید چاہی۔
 ”طاہر ہے جو درد دے گا وہ خود بھی تو دہی ہو گا۔“ اس نے بڑبڑاتے ہوئے عاشق کی طرف رخ پھیرا۔ عاشق پوری بات تو سمجھ نہ سکی البتہ طاہر سے سن کر نفیس پڑی۔
 ”ویسے خوشی میں انسان یوں بھی رد عمل ظاہر کر رہے ہیں اندازہ نہ تھا اگر معلوم ہوتا تو آپ کے آنے کی خبر شازدہ کو آہستہ آہستہ سناتے۔“ وہ اپنی دھن میں بولے چلی جا رہی تھی۔ سیف کی طنزیہ اور ملامتی نظریں محسوس کر کے وہ جڑبڑ بھگیا۔
 ”پلیز عاشق ایک کپ چائے ملا دو۔“ اسے بریک لگانے کے لئے عاشق نے کما توہ غصہ اس لئے چائے بنانے چل دی کہ ہر حال یہ اس کا ”سسرال“ تھا اور ایک دامادی فرمائش رو نہیں کی جاسکتی تھی۔
 ”اور اس سے پہلے کہ وہ مزید سیف کا پیچہ سناٹا ظاہر بھائی اگر دونوں کو اپنے ساتھ کسی کام سے لے گئے یہاں اگر انہوں نے تمام تر زہد واری سنبھال لی تھی ورنہ اس سے پہلے ناعمہ کے چچا ہی سب انتظام سنبھالے ہوئے تھے۔ طاہر آگئے تو انہوں نے بھی اپنی توجہ اپنے گھر کی طرف مبذول کر دی البتہ پھر بھی وہ جبر گیری ضرور رہتے۔
 ”رات وہ دونوں طاہر بھائی کے ساتھ بہت سے ضروری امور غنما کرواپس آئے تو خامے چھکے ہوئے

سب سے پہلے ہی کھانا کھا کر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔ اور کی منزل پر اچھا خاصا شور مچا ہوا تھا۔
 ”اگر وہ نکالی گئی تھی، آوازوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی اور بھی آیا ہوا ہے۔ ہر حال ان تمام باتوں سے اس کا تعلق عاشق کے لئے تھا۔
 ”اس کا بہتر قدرے ممکن آلود تھا، ایک دم اس کا ذہن شازدہ کی طرف چلا گیا۔ فطری طور پر وہ اس کے متعلق سوچے بٹانہ رہ سکا کہ ہر حال اس کے اس حال کا زہد وادہ خود ہی تھا، خود زخم لگا کر چارہ گری کی ضرورت تھی مگر اس سے تعلق ہو نہیں سکتی تھی کیونکہ زخم اس نے سب سے نہیں روکے ہوئے تھے۔ اور روح پر گئے کیوں کی سچائی اتنی سہل نہ تھی۔
 ”سوئے لیٹا تو ایک ایک کر کے اب تک کے کئی واقعات نگاہوں میں پھر گئے۔ جب جب اور جس جس طرح اس نے شازدہ کو ہرٹ کیا تھا اپنے تنفر سے اس کی روح کو چھلنی کر کے خود وہ بھی آسودہ نہ رہا تھا۔ اپنے پیچھے پر اسے کوئی افسوس نہیں تھا مگر ندامت ضرور تھی۔
 ”وہ شازدہ کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا تھا جب اس کے دل میں اس کے لئے کوئی خوبصورت جذبہ پیدا ہو ہی نہیں سکا تو پھر خواہ مخواہ کا قریب آئے کیوں رہتا مگر وہ جانتا نہ تھا کہ اس کے اس کھردرے رویے نے اسے معصوم لڑکی کے اندر کتنے شکاف کر ڈالے تھے۔ کتنی زہر آلود سوسائیاں پیوست کر دی تھیں اس کے وجود میں۔
 ”اسے اپنے ضمیر کے سامنے کسی قسم کی پشیمانی نہیں تھی۔ جو دل میں تھا وہ ظاہر کرنا تھا کم از کم کسی کو دھوکہ تو نہیں دیتا تھا۔ اب بھلا زبردستی تو دل میں محبت پیدا کی نہیں جاسکتی۔ لیکن شاید وہ اس امر سے واقف نہ تھا کہ کچھ رشتے محبت سے زیادہ عزت کے مستحق ہوتے ہیں۔ اور شریک حیات کا رشتہ ان ہی رشتوں میں سے ایک ہوتا ہے۔
 ”کہتے ہیں کہ نکاح کے تین بول پڑھ کر ہی دونوں فریقین ایک دوسرے کے لئے دل میں حسین جذبے محسوس کرنے لگتے ہیں مگر جانے کیوں عاشق حسن کامل

گلہ نشین کی مانند منجھ ہو گیا تھا شازدہ کی محبت بھی اسے پھلانگ سکی تھی۔
 ”پر آگندہ سوچوں سے ایک بار پھر وہ مضطرب ہو گیا۔ سرور سے پھٹا جا رہا تھا۔ اٹھ کر اپنے برف کیس سے ٹیبلٹ نکالی تو نظر برسیلٹ کے اس چھوٹے سے ڈبے پر پڑی جو اس نے امی کے لاکھ جتانے اور یاد دلانے کے بعد خریدا تھا۔ یہ سب لوگ آگئے تو پھر پاپا نے بھی اس کو یاد دہانی کرائی تب کہیں جا کر وہ ناعمہ کے لئے اپنی طرف سے کولڈ کراہیسلٹ خریدا لایا جس پر سچے پات کوٹ کے تازک ٹکینے جڑے ہوئے تھے۔
 ”خج دے دوں گا۔“ سوچ کر اس نے پہلے سرور کی گولی کھائی اور پھر سو گیا۔
 ”دوسری شام کو مایوں تھا لہذا صبح اچھی خاصی ہڑونگ بھی ہوئی تھی۔ وہ اور سیف دونوں دیر سے اٹھے لہذا ایک ساتھ ناشتہ کیا دونوں نے۔
 ”بے مروتی کی انتہا ہے عاشق تم نے واپس آکر اپنے مریض کا حال تک نہیں پوچھا۔“ ناشتا کرنی سیما نے اسے آڑے ہاتھوں لیا تو وہ پٹپٹا کر جلد سنبھلا۔
 ”آپ لوگوں کے ہوتے ہوئے مجھے بہت اطمینان تھا سیما ورنہ ایسی بھی کوئی بات نہیں تھی۔“ اس نے اپنے بچے کو قدرے نارمل رکھا۔
 ”وہی سچ بتاؤ عاشق کیا تم واقعی اتنے ان رومانٹک ہو یا بوز کرتے ہو۔“ وہ قریب بیٹھے ہوئے رازداری سے مشکوک انداز میں گویا ہو میں تو وہ اس ”تفتیشی کلاس“ سے گھبرا گیا۔ نظر اٹھا کر سیف کو دیکھا وہ اطمینان سے یوں اخبار پڑھ رہا تھا جیسے اس سے زیادہ اہم دنیا میں کوئی اور کام ہے ہی نہیں۔
 ”اچھوٹی سیما میں ذرا پیکٹل بندہ ہوں یہ چاؤ چوٹیلے میرے مزاج سے میل نہیں کھاتے۔“ وہ سنجیدہ سا کہنے لگا تو سیف کو یکدم اچھوٹ گیا۔
 ”سیما گھر اگر اس کی طرف متوجہ ہو میں اور اس کی طویل کھانسی سے پریشان ہو کر کچن میں پانی لینے دوڑ گئی۔
 ”کیا کہنے ہیں پریکٹیکل ازم کے۔“ وہ استہزائیہ بنا۔

”نورہ واسطی پر سب جذبے لٹا دیے ہیں یہ کہنے میں کیا عار ہے۔“ اس کا حق چھوٹا ہوا تھا۔
 ”میں تو کہہ بھی دوں مگر مجھے لوگ جتنا دبھ کر دیں گے۔“ وہ غصے سے بھرا اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایک جلتی ہوئی نظر طرز سے مسکراتے سیف پر ڈال کر باہر نکل گیا۔
 ”یہ لپٹانی“ ارے عاشق کہاں گیا ناشتہ چھوڑ کر؟“ سیما اسے گلاس پکڑاتے پکڑاتے عاشق کی غیر موجودگی کی طرف متوجہ ہوئیں۔
 ”خیریت دریافت کرنے گیا ہے“ آپ نے بھی تو بے چارہ کو شرمندہ کر ڈالا تھا۔“ اسے وقت پر بات بتانی پڑی ہزار ہا اختلافات کے باوجود وہ عاشق کا دوست و ہمساز تھا اس کا بھروسہ تو رکھنا ہی تھا۔ سیما اس کی بات پر ”چلو اچھا ہوا“ کہتی مطمئن سی آگے بڑھ گئیں۔
 ”یہ تو ناعمہ یہ تمہارے لیے“ سیف اوپر آیا تو عاشق کو بعد سمجھ کر اور عاشق کے ناعمہ کے کمرے میں موجود پایا۔

”آف میسجے خدا“ اس بیوٹی فل“ چاروں خواتین کی ستائی آوازیں یکسو وقت کو نہیں۔
 ”کیا یہ واقعی میرے لیے ہے؟“ ناعمہ کے انداز میں شرارت بھری معنی خیزی تھی۔
 ”ہوں۔“ اس نے تجاہل سے کام لیا۔
 ”ماشا اللہ“ تو بالائی بالائی بھی ہو گیا۔“ سیف نے حیرت سے اسے دیکھا۔
 ”اب تھوڑی ہی دیر میں تم کوئی نیا سربراہ عزمت دے بیٹھنا۔“ سمجھیں۔
 ”کیا مطلب؟“ سب چونکے۔
 ”مجھے اس کا اعتبار کیا ہو سکتا ہے ذرا در بعد شازمہ کے لئے تو کھانا نکال لائے۔ ان کی بات پر قہقہہ برسا سب سے اونچی آواز سیف کی تھی۔ اس نے تپ کر اسے گھورا جواباً سیف نے بھی ملامتی نظریں اس پر جمادیں۔
 ”بھئی شازمہ کے تو مزے ہو گئے۔ عاشق چوائس اور دریا دلی تو مجھے شازمہ سے جھپٹیں کیے دے رہی ہے۔“ زلیخا کی حد درجے شوقین نیر صاف گوئی

سے کہہ اٹھی۔
 ”لو اور سنو۔“ سیف دل جلانے والے انداز میں مسکرایا۔
 ”نعمول نہ بولا کرو آپ۔“ عاشق نے ہنس کو گھر کا عاشق نے سر جھٹک کر ان کی باتوں سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کی مگر وہ سب تو جیسے ایک ہی نقطے کو پکڑ کر افسانہ بناتے چلی جا رہی تھیں یہاں تک کہ شازمہ کسی اچھی لڑکی کے ساتھ وہیں چلی آئی عاشق وہاں دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹھکی اور پھر بالذبح خواست آگے بڑھی۔
 ”ہائے مہوز تم آگئیں۔“ ناعمہ نے نظریں ہی خوشگوار چچ ماری بڑی بے مروت ہو شازمہ کی اتنی فاسٹ فرینڈ ہو اور اب آ رہی ہو اس کا ہاتھ پٹانے۔
 سب سے بے نیاز ناعمہ اس سے شکوہ کنال لے لے کر بولی۔
 ”سارے گلے مٹا دوں گی ناعمہ جی“ فی الحال تو اپنے مہمانوں سے تعارف کر دیتے۔“ ہنس مکھ سی مہوز نے مسکرا کر سب پر ایک نظر ڈالی۔
 ”معاف سمجھئے گا ہم مہمان نہیں۔“ سیف بے اختیار کہہ اٹھا تھا مہوز غیر متوقع بات سن کر ذرا سی شیشائی پھر ہنس دی۔
 ”چلیں یوں ہی سہی“ کہہ کر اس نے سر کو ذرا سا خم دیا۔

عاشق نے فریش چہرے اور خوش کن تاثرات لے مہوز کے ساتھ کھڑی شازمہ پر نظر ڈالی وہ نظریں کارپٹ پر جمائے چہرے کے انگوٹھے سے بے خیالی میں قائلین کھینچ رہی تھی چہرے پر نقاہت کے آثار بھی باقی تھے۔ البتہ آنکھوں کی ویرانی مزید بڑھ گئی تھی۔
 ”اوہ تو آپ ہیں عاشق حسن۔“ ناعمہ کے تعارف کرانے پر وہ پوری طرح عاشق کی طرف متوجہ ہو گئی اس کے عجیبے میں ایسا کوئی خاص تاثر نہ تھا پھر بھی وہ اٹھانے نہ رہا۔
 ”بہت اشتیاق تھا آپ سے ملنے کا مجھے میں چونک کر آپ کی نصف بہتر کی بہت قریبی دوست ہوں لہذا یہ شرف تو کم از کم حاصل ہونا ہی چاہیے تھا تاکہ اسے

بیجا جی سے فیس نو فیس ملاقات کر لوں۔“ وہ بڑے مسرور انداز میں بولے چلی جا رہی تھی۔ بڑے مزے سے وہ اسے شازمہ کا حوالہ دے لیتی تھی۔ سمجھیں اور عاشق و غیرہ ناعمہ کے ساتھ لگ گئیں۔
 ”آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔“ اس نے مہوزا“ کہا شازمہ کی حیرانی پر سیف کو بے اختیار ہنسی آئی مہوز نے اچھ کر سیف کی طرف دیکھا اب اسے کیا پتا تھا کہ عاشق کو اپنی دوست کے ساتھ اس طرح بات کرتی دیکھ کر وہ کتنی متعجب تھی۔
 ”آپ کی تعریف۔“ وہ ذرا کی ذرا رکی۔ سوالیہ نظریں شازمہ کی طرف پھیریں۔
 ”یہ سیف بھائی ہیں بڑے ماموں کے بیٹے۔“ وہ مدھم سروں میں بولی عاشق اس کی آواز کی شیرینی کا دل میں قائل ہو گیا۔
 ”اوہ تو کویا تمہارے دیور ہیں۔“ مہوز نے نیارشتہ جوڑا۔

”اگر عاشق کے حوالے سے دیکھیں تو گرنہ میں ان کا فرسٹ کزن بھی ہوتا ہوں۔“ سیف کا اذنی شوخ انداز پورے عروج پر تھا۔
 ”یقیناً۔“ مہوز نے سر جھٹکا۔ ”ویسے بانی دادے عاشق بھائی لگتا ہے آپ کو ان سے بہت دلی وابستگی ہے۔“

”جی بالکل ہم دونوں ایک جان دو قالب ہیں“ اب کہ اس نے لب کشائی کی سیف نے تقاضا بھری نظر ڈالی۔
 ”اوہو یہ تو بڑا گہیر مسئلہ ہے اگر یہ آپ کی جان ہیں تو شازمہ کی جگہ کہاں ہے۔“ اس کا سوال بڑا اونگھا اور سخت غیر متوقع تھا۔ شازمہ نے بری طرح کھبرا کر عاشق کو دیکھا۔
 ”اب مجرم بھی کھل جائے گا۔“ وہ بے دردی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

”ابجی محترمہ ایسے باتیں کرنے کی نہیں سمجھنے کی آتی ہیں کیا سمجھیں آپ۔“ سیف نے بروقت معاملہ سنبھالا عاشق تو خود لا جواب ہو گیا تھا شازمہ نہ آتی تو شاید مصلحت آمیز مبالغہ بھی چل جاتا مگر وہ

اسے کسی بھی طرح دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اس بات کا بھی جب سیف نے جواب دیا تو جمال مہوز نے معنی خیزی سے شانے اچکائے وہیں شازمہ نے بھی آخری امید کا دیا بڑے جھگھے جھگھے انداز میں بھجا کر گہری سانس خارج کر کے خاموشی سے پلٹنے میں عافیت جالی۔

”ارے تم کہاں چلیں؟“ مہوز پیچھے سے پکاری۔
 ”یہ شرا مچی ہیں“ کمال ہے آپ ان کی اتنی مزاج آشنا دوست ہیں اور اتنی سی بات نہیں سمجھ پارہی ہیں۔“ سیف نے اسے شرمندہ کرنا چاہا۔ مگر وہ بجائے جھل ہونے کے قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

”اصل میں اسے ایسی چوہن میں پہلی بار دیکھا ہے مگر نہ اکثر اوقات تو وہ بڑے کافیڈنٹ کے ساتھ میری تمام تر چھٹی چھٹی پروا کرتی ہے۔“

”ایکسکیوز می“ میں ذرا طار ہر کپاس جا رہا ہوں“ انہوں نے مجھے بلایا تھا۔“ سیف اور مہوز کو ایک دوسرے سے مخاطب دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
 ”جلدی آئیے گا ذرا آپ شپ رہے گی۔“ وہ بڑے اخلاق سے بولی۔

”جی ضرور فی الحال تو آپ اوہ رہی ہیں۔“
 ”ہوں“ اور دلچسپی تک یہیں دھرتا مار کر بیٹھی رہیں گی۔“ وہ بات بے بات کھلکھلانے کی عادی تھی۔
 ”دھرتا مارنے کی کیا بات ہے تمہارا اپنا گھر ہے۔“ سمجھنے کی طرح اس کا مان بڑھایا تو وہ خوشدلی سے ہنس دی۔

”یہ شازمہ کی سہیلی ہے یقین نہیں آتا۔“ نیچکی طرف آتے ہوئے اس نے نیر کے ساتھ سنجیدگی سے چہنکی چہنکی ایک جگہ سلیقے سے رکھتی ہوئی شازمہ کو دیکھ کر گلا رادہ سوچا۔

”ایک یہ ہے کہ ہنسی اس کے لبوں سے جدا نہیں ہوتی اور ایک شازمہ ہے کہ بھولے سے مسکراہٹ نام کی کوئی چیز اسے چھوٹی بھی نہیں۔“ ذہن نے سوچا۔
 ”مسکراہٹ چھین کر چاہتے ہو کہ وہ ہنسے، کس قدر سنگدل ہو عاشق حسن۔“ دل کے کسی کوٹنے سے صدا

آئی تو وہ بمشکل اسے نظر انداز کرنا ہر نکل گیا۔
 یہ عاشر بھائی کچھ زیادہ ریزرو نہیں۔ اس کے
 جاتے ہی موز نے سیف سے سوال کیا
 ”نہیں بس ذرا اجنبی لوگوں کے لئے کم آمیز ہے“
 آپ ایک دو بار ملیں گی تو اسے سمجھ سے بڑھ کر کیا میں
 گی۔ ”وہ اس کی حمایت میں کئے لگا۔
 ”ہو سکتا ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں، دے
 آپ مجھے ان سے بہت مختلف لگے، دوستی کیسے ہوئی
 آپ کی۔ ”مہموز بڑی بڑک انداز میں گفتگو کرنے والی
 لڑکی تھی۔ سیف اسے سراہے بتانہ رہا۔
 ”وہ مختلف ہے اسی لئے تو ہم ساتھ ساتھ چل
 رہے ہیں ایک نرم ہے تو دوسرا گرم وہ آپ نے سنا تو
 ہو گا کہ (Opposites Attracts) سو کچھ ہی
 صورت حال ہے۔ ”اس نے ہلکے ہلکے لہجے میں کہہ کر
 مہموز کی توجہ دوسری طرف مبذول کرا دی اور تھوڑی
 دیر بعد وہ بھی پیچے آیا۔
 دوسرے روز ماہوں تھا اور کراچی سے زبان صاحب
 اور حسن صاحب کے ساتھ نہرا اور سیما کے شوہر بھی
 آگئے اپنی روشنی اور اتنی خوشی تھی کہ ہر شے کہ ہر وہ چہ
 بھی مسکرایا جو جسم آشنا تھا شازمہ بھی عاشر کے
 رویے کو حتی المقدور نظر انداز کر کے بہن کی خوشی میں
 خوش تھی۔
 کچھ سیف کی بیکری بازی اور کچھ اس کے اپنے ضمیر
 کی خلش تھی کہ پھر اس نے شازمہ سے حج کھائی
 نہیں کی۔ نہ وہ اس کے سامنے آتا اور نہ ہی اس سے
 مخاطب ہوتا۔ خود شازمہ بھی اپنی ذات کا بھرم اسی
 طرح رکھ رہی تھی کہ وہ عاشر سے ہم کلام ہی نہ ہوتی۔
 سب لوگ خصوصاً ”مہموز اس کو اس کی فطری شرم و حیا
 پر غمخوار کر رہے تھے مگر یہ تو صرف اس کا دل جانتا تھا کہ
 گریزی اس راہ پر اس نے کیوں قدم رکھے تھے۔
 ڈھولک مہندی اہن اور رنگ برنگے آنچلوں کا
 خوبصورت منظر شادی کے بھرپور ماحول کا عکاس تھا۔
 رونقیں پوری شدت سے امنڈ آئی تھیں۔
 شادی سے ایک دن پہلے مہندی کی رسم تھی جس
 میں شازمہ کو بھرپور حصہ لینے دیکھ کر وہ خاصا حیران

ہوا۔ گانوں کے مقابلے سے لے کر انگلی پکڑائی کی رسم
 تک وہ بہت ایکٹو رہی۔ خوبصورت لباس، اور
 چار رنگ پرستانی نے ہر ایک کو مرعوب کر دیا۔ اور
 عاشر بھی اس کے حسن جمال سوز کو دل ہی دل میں
 سراہے بتانہ رہا۔
 مہندی والے روز وہ لگ ہی اتنی اچھی رہی تھی کہ
 عاشر کے ساتھ کھڑے سیف نے اسے پیڑھیوں سے
 اترتا دیکھا تو بے اختیار کہوئی مار کر متوجہ کیا، ریڈ اینڈ
 بلیک کام کے کھارے میں ایک طرف ناخن کی پٹیا
 ڈالے وہ بہت خوبصورت اور معصوم لگ رہی تھی۔
 گولڈن آویروں کا سنہری عکس رخساروں کو مزید دلکشی
 بخش رہا تھا۔ مہموز کا مشافی سے کیا گیا میک اپ اسے
 آتشہ ناکیا تھا لال پرانے کی الگ ہی چھب تھی۔
 عاشر نے چونک کر نظر کھمبائی تو خود بخود آنکھوں
 میں ستائش اتر آئی سیف نے اسے دیکھا وہ متاثر
 ضرور ہوا مگر حق نہ ہو سکا۔ بہر حال فی الحال اتنا بھی کافی
 تھا۔ یوں بھی عاشر کو شازمہ کی ظاہری خوبصورتی سے
 کبھی کوئی شکایت نہیں رہی تھی۔
 ”شازمہ۔“ سیف نے اسے پکارا تو مہندی کا سہا
 ہوا تھا لٹا کر جاتے جاتے وہ پلٹی، سیف کی طرف
 قدم بڑھانا چاہے مگر عاشر کو دیکھ کر ایک غیر محسوس
 لڑکھٹا ہٹ آئی قدموں میں۔
 ”جی۔“ عاشر نے اسے بھرپور طور پر نظر انداز
 کرتے ہوئے جب روٹی بسورتی رہی تو سمجھ کی گودے
 لے کر توجہ دوسری طرف مبذول کر لی تو وہ کچھ دگرتے
 سی سیف کے اس آغوش۔
 ”کوئی کام تھا سیف بھائی؟“
 ”کام صرف یہ ہے لڑکی کہ ذرا ہنسنا بولا کرو“ چھی
 لگتی ہو۔ ”سر پر ہلکی سی چپٹ لگا کر اس نے اپنائیت
 سے کہا تو وہ ذمہ خورہ مسکراہٹ سجا کر کہاں سے ہٹ
 آئی۔
 کالی تیری چوٹی ہے پرانہ تیرا لال لال نی
 روپ کی اورانی تو پرانے کو سنبھال لی
 کسی منچلے کا گچھ پہ آگیا جو دل ہوئی بڑی مشکل
 ناعمہ کی سرال میں کچھ شوخ لڑکے بھی تھے

کھانے کے وقت کوئی اس کے قریب سے گانا گزرا تو
 کھبرا گئی۔ انداز اس قدر گھٹیا اور نظریں اتنی
 پھمکوری تھیں کہ ساتھ کھڑی مہموز بھی ناگواری سے
 منہ ہٹانے لگی۔ سیف اور عاشر اسی وقت اس طرف
 آئے تھے یکدم عاشر کا چہرہ ان لوگوں کی حرکت پر سرخ
 ہو گیا۔ سیف نے دیکھا مگر قصداً ”سنبھال برتا۔
 ذرا دیر بعد ہی وہ لڑکا پھر ہانے ہانے سے شازمہ
 کے گرد منڈلانے لگا سیف کی عقلمانی نظریں عاشر کے
 چہرے پر رقبہ رہی کے بڑھتے ہوئے گراف کو ملاحظہ
 کر رہی تھیں۔
 ”یہ کس کس کے گھٹیا لڑکے جمع ہیں یہاں۔“ وہ
 آخر چراغ بھوس گیا۔
 ”کیوں کیا ہوا؟“ سیف کی معصومیت دیدنی
 تھی۔ جواباً ”اس نے سخت نظریں سے دیکھا تو وہ“ وہ
 کہہ کر سر پوچھ انداز میں سر ہلا گیا۔
 ”آج اگر تم اس کے ساتھ ہوتے تو وہ یوں خود کو غیر
 محفوظ محسوس نہ کرتی۔“ سیف کا سنجیدہ فقرہ اسے
 حقیقت کے خازنوں میں ٹھسٹ لے گیا۔
 ”مجھ سے اس بات کا کیا تعلق ہے؟“ اس کے
 ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔
 ”تعلق ہے عاشر حسن جیسی تو تم نے اس لڑکے کی
 وہ حرکت محسوس کر لی ورنہ یہاں تو اور بھی لوگ ہیں
 کسی اور کی طرف تمہارا دھیان کیوں نہیں گیا؟“
 سیف نے جھپٹتے ہوئے انداز میں صاف کوئی اختیار
 کی۔ وہ کوئی جواب دیے بغیر پلٹا اور پچھو پچھی اماں سے
 کہہ کر دس منٹ میں ہی واپسی کرا دی۔
 سیف اس کی کارگزاری پر بنا کچھ کہ بس دیر سے
 دھیرے مسکرا رہا اور عاشر کا غصہ آسمان کو چھو رہا۔
 گھر پہنچ کر زبرد سے کار کا دروازہ بند کر کے وہ اندر کی
 جانب بڑھا تو لاؤنج میں ہی اسے شازمہ نظر آئی۔ کتنا
 پرسکون ہو گیا تھا ایک دم اس کا چہرہ گھر آگروہ نارمل
 ہو گئی تھی۔ ورنہ وہاں تو جیسے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی
 تھیں۔ ابھی وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ
 عقب میں شازمہ کے گزرنے کی آواز سن کر رک گیا۔
 ”بھئی واہ شازمہ آج تو تم نے کمال کر دیا۔ تم اتنی

خوبصورت ہو مجھے معلوم نہ تھا بلاشبہ اس کی تعریف کی
 گئی تھی بیشہ سادگی سے رہنے والی شازمہ نے آج بناؤ
 سکھار کر لیا تو گویا سب حیران رہ گئے۔
 ”تھینک یو۔“ عاشر نے پلٹ کر ایک جلتی ہوئی
 نظر مروت سے مسکراتی شازمہ پر ڈالی اور غصے میں پیر
 زمین پر پٹختا اپنے کمرے میں چلا آیا۔ ”شازمہ کے
 اوسان اس کے برہی لیے ہوئے تھوڑے کچھ کر ہی خطا
 ہونے لگے اور وہ پہلی فرصت میں ناعمہ کے پاس جا کر
 کمرے میں بند ہو گئی۔
 تمہارا نام کسی اجنبی کے لب پر تھا
 ذرا سی بات تھی دل کو مگر گئی ہے بہت
 سیف نے دروازے سے جھانک کر بڑے لپکتے
 ہوئے یہ شعر بڑھانے سنے ہو کر مڑا مڑا گئی تھی لمحہ وہ
 دروازہ بند کر کے بھاگ چکا تھا۔
 ”اسٹوپڈ“ غصے اور کھیاہٹ کے باوجود اسے
 ہنسی آئی۔
 شادی کا فکشن حسب توقع بہت اچھا رہا۔ ناعمہ
 اور احمد کا جوڑ بہت خوبصورت تھا۔ سب نے ستائشی
 نظریں سے انہیں دیکھا۔ اس روز شازمہ کی دوسری
 کلاس فیلوز بھی آئی تھیں مہموز انہیں عاشر کے پاس
 لے آئی۔
 ”یہ شازمہ اور میری کالج فیلوز ہیں۔“ مہموز نے
 تعارف کروایا۔
 ”خوشی ہوئی مل کر آپ سے“ وہ ازراہ اخلاق
 مسکرایا۔
 ”ہمیں بھی۔“ وہ سب نہیں ”مگر یہ آپ کی مسز
 بھی بڑی بے مروت ہیں ہمارا تعارف تک نہیں کرایا
 اگر؟“ ہمیں شکایت تھی وہ نظر چرایا۔
 ”محترمہ یہ ایسٹ ہے یہاں اپنے مگھیتروں سے
 اس طرح تعارف نہیں کرایا جاتا۔“ سیف نے
 بروقت اگر شازمہ کی حمایت کی، عاشر نے تنقید سے
 اسے دیکھا مگر وہ انجان بنا شازمہ کی سیلیوں کو مغرب
 اور مشرق کا فرق سمجھا رہا۔
 گھر کے شلوار سوٹ پر ایک واکسٹ بننے عاشر کو اس
 کی تمام کالج فیلوز نے مشترکہ طور پر اسٹارٹ یگ میں

تسلیم کر لیا تھا۔ کتنی ہی دیر وہ شازمہ کو چھٹی رہیں اور اس کی قسمت پر رشک کرتی رہیں۔

رخصتی کے وقت چھوٹی اباں شازمہ اور ناعمہ نے رونے کی حدیں عبور کر ڈالیں، ناعمہ چلی گئی تو شازمہ کو یکدم شدید تھانی کا احساس ہونے لگا سب کھانا کھانے بیٹھے مگر شازمہ کی حالت دگرگوں تھی۔ آنسو امنڈ پے چلے آ رہے تھے وہ کسی طور کچھ کھانے کو راضی نہ تھی۔

”آجاولیٰ ورنہ عاشر کو بلا لوں گی۔“ سمن کی ناکامی دیکھ کر سیمانے دھمکی دی وہ باطلہ خواستہ آنسو پونچھ کر کھڑی ہو گئی ان سے کچھ عید بھی نہ تھا۔

”تھنکس گاڈ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ یہ حریہ کام آجائے گا تو پہلے ہی کہہ دیتی۔“ سمن نے شکر کا سانس بھرا اور ساتھ اپنی نالی کا تسل کراٹھا بھی کیا۔

”بھئی وقفا شعاع اور سعادت مند بیویوں کو واقعی اپنے شوہروں سے اسی طرح ڈرتا چاہیے۔“ عائشی نے بڑے تدریسے کما شازمہ محض ہونٹ کا تکی رہی۔

”اچھا جی آپ کو برا معلوم ہے۔“ تیر نے کچھ اس انداز سے کہا کہ عائشی پر ہی طرح بھینپ گئی۔

”آجاولیٰ بچے۔“ یکدم حسن نے اسے اپنے قریب بٹھالایا۔

ڈارک اور لائٹ بلیو کنٹراسٹ کے خوبصورت سلور تلے کے کام والے سوٹ میں وہ مفضل اور تھکی تھکی سی بھی پیاری لگ رہی تھی۔ متورم آنکھیں ڈھیروں اداسیاں سمیٹے ہوئے تھیں۔ عاشر نے ایک نظر اسے دیکھا اور پھر کھانے سے ہاتھ کھینچ کر اٹھ گیا۔ دوسری صبح گھر میں رات والی اداسی مفقود تھی ناعمہ کو لے کر وہ لوگ آئے تو ماحول ایک دم شگفتہ ہو گیا شام کو لیمہ تھا۔

سیف طاہر اور عاشر دن چڑھے سوئے رہے۔ دوپہر تک سب فریٹ تھے بقیہ وقت وہ باہر گھوم پھر کر گزار آئے تو جانے کے لیے تیاری شروع ہو چکی تھی۔

ابھی وہ کمرے میں آیا ہی تھا کہ سیف آکر زبردستی اس کا کمرے ڈنر سوٹ اٹھا کر لے گیا۔

”تم بلیک پن لو“ زبردستی کی دھونس جتا کر وہ بولا

”میں چیٹک رہے گی“ کہہ کر یہ جاوہ جا باہر نکلا تو سامنے سے سمن چلی آ رہی تھیں۔

”تو یہ کس قدر خدی لڑکی ہے میں تو سمجھا سمجھا تھک گئی۔“ وہ بیڑا رہی تھیں۔

”کس نے پریشان کیا آپ کو؟“ وہ سرسری انداز میں پوچھ بیٹھا سمن رک گئیں۔

”تمہاری نصف بہتر نے“ وہ جی بکھیں۔ ”مج سے انکار کے بیٹھی تھی کہ ساڑھی نہیں پاندھی بشکل راضی کیا تو اب بالوں کی پٹیا بنانے پر پھنسا ہے۔“

”تو آپ کیوں اصرار کرتی ہیں باجی ہر ایک کی اپنی مرضی ہوتی ہے۔“ وہ سنجیدہ ہو گیا۔

”مجھے معلوم تھا تم اس کی ہی حمایت کرو گے“ مگر میں بھی سمن ہوں سدھار کر کچھ دلوں کی اسے بھی اور نہیں بھی۔“ وہ اس پر ہی الٹ گئیں تو وہ سر کھجا رہ گیا۔

دیکھ کافنکشن اس لحاظ سے اچھا رہا کہ جن لوگوں سے اس شادی میں میل ملاقات رہی ان کے ساتھ بیٹے بولنے وقت گزرنے کا پتا نہ چلا۔ میوٹن ساڑھی میں جھرنوں جیسے بال پشت پر پھیلائے وہ اس کے سامنے سے گزری تو سیف کی شرارت سمجھ آئی، شاکنگ پنک شلوار سوٹ میں ملبوس میوٹ کے ساتھ کھڑے باتیں کرتے سیف پر اسے بیک وقت غصہ بھی آیا اور ہنسی بھی۔

”اوہ تو یہ بھی میچنگ۔“ سیف کے قریب آنے پر اس نے مسکرا کر میوٹ کی جانب اشارہ کیا۔

”جی نہیں یہ ہے میچنگ۔“ مگر دن کو تھوڑا سا تم دے کر سیف نے ذرا فاصلے پر کھڑی شازمہ کی طرف دیکھا تو وہ عام سے انداز میں سر موڑ گیا۔

طاہر بھائی تصویریں کھینچ رہے تھے سب کے کپل فوٹ گرائس کھینچوا رہے تھے ذرا دیر بعد سمن نے اسے اور زبردستی شازمہ کو بھی ساتھ کھڑا کر کے ایک خوبصورت تصویر بنوا ڈالی وہ نہ نہ کرتی رہی مگر نہ سیمانہ عائشی یہاں تک کہ سیف بھی اس کا گزارائی میں آگے رہا۔

پاکینہ اپنچل ۵۷ مارچ ۹۸۔

والیسی پر سمن اور سیف نے کچھ اس ترتیب سے گاڑیوں میں سب کو بٹھایا کہ آخر میں عاشر اور شازمہ ہی اکیلے رہ گئے۔ ایک دو کے علاوہ تقریباً ساری گاڑیاں چل دی تھیں۔

”چلو شازمہ تم اس گاڑی میں بیٹھو اور یہ عاشر تم ڈرائیو کرو اسے۔“ سمن نے ان دونوں کو باری باری مخاطب کیا تو شازمہ پر ہی طرح پٹپٹا گئی سمن نے کی چین پتار رہو تے عاشر کو پھڑائی۔

”مگر آئی میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔“ ”سورجی میں جس گاڑی میں ہوں اس میں جگہ نہیں۔“ وہ بے مروتی سے اپنی مڑ گئیں۔ عاشر نے سیف کو دھونڈا تو وہ طاہر بھائی کے ساتھ میوٹ کی گاڑی میں بیٹھا نظر آیا۔ دوسرے ہی اسے ”ڈش پوڈ لک“ کا عوام کر چکا تھا وہاں اس وقت اتنے لوگ کھڑے تھے کہ وہ چپ چاپ ڈرائیو تک سیٹ پر بیٹھا۔

”بھئی یہ یا آج میں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے۔“ اس نے پٹپٹا سی شازمہ کو محکم سے کہا تو وہ علم حاکم مرگ معافات کے مصداق باطلہ خواستہ اندر بیٹھ گئی۔ سب کا غصہ اس پر ہی نکلتا تھا۔ وہ اپنی جگہ چوری بن گئی عاشر اور بقیہ لوگوں کے درمیان وہ سینڈویچ ہو کر رہ گئی تھی۔

رات کا وقت تھا لہذا ہوا کافی ٹھنڈی ہو گئی تھی مگر بر سوڈرے عاشر کا سرود یہ اور۔ فیلے تیور وہ ساڑھی کا آپل اور بال سنہال کر بیٹھی تو خاصی کانپ رہی تھی۔ اپنی جانب والا شیشہ بھی بند کر لیا مگر عاشر کی طرف کا شیشہ کھلا تھا وہ گاڑی ریورس کر کے روڈ پر نکال لایا اور ذرا دیر بعد ہی ان کی کار بھی رش والے ٹریفک کا حصہ بن گئی۔

”سرودی اتنی لگتی ہے تو اتنے لائٹ کپڑے پہننے کی ضرورت کیا تھی؟“ اسے حتی المقدور اپنی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی ناکام کوشش کرنا دیکھ کر وہ سخت لہجے میں کہنے لگی۔ ”جس کا نہیں اور شیشہ بند کر دیا۔“

بے بسی اور تذلیل کے احساس سے مبین کورے بھگتے لگے۔ فل آسٹین کے بلاؤڈ میں ابھی طرح آپکل کو لینڈ کے باوجود بھی اگر وہ سرودی محسوس کر رہی

پاکینہ اپنچل ۵۷ مارچ ۹۸۔

تھی تو اس میں اس کا قصور بھی نہ تھا۔ دل میں آیا کہ کہہ دے آپ کی بہن نے خد کر کے پستانا تھی ساڑھی ہنر فائدہ نہیں تھا اس دشمن جاں سے وہ سب کچھ سمن لینے کی عادی رہی تھی۔

رش کے باعث ان کی گاڑی پیچھے رہ گئی اور جب وہ گھر کے راستے پر آیا تو خاصی دیر ہو چکی تھی۔ سڑکیں عموماً ”سنسان“ تھیں۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا کہ ننگہ جتنی دیر ہوئی اتنی ہی کماتیاں وہ چاروں مل کر بیٹا لیتے مگر پیشہ وہ ہوتا نہیں جو انسان چاہتا ہے۔ چٹی گاڑی کا ٹائر فلٹ ہو اتو وہ بری طرح جلد آگئی بشکل روک کر اسے بریک لگایا شازمہ نے تو گھر آکر بے ساختہ اس کا بازو تھام لیا۔

”شش۔“ کھڑکی سے سر باہر نکال کر دیکھا تو مزید موڈ آف ہو گیا اسٹیرنگ پر جھنجھلا کر مکا مارتے ہوئے وہ باہر نکلا۔ چچورا شازمہ کو بھی اسی ہی تقلید کرنا پڑی۔

”اوہ۔“ وہ بھی اس افتادہ کامیابی پر پریشان ہوا۔ عاشر کا غصہ بھلا جواب سخت تناؤ کیے ہوئے تھا۔ ڈی کھول کر اسٹینی اور جیک نکالا اور زور سے سمن پر چڑ دیا۔ وہ سرودی سے پریشان تھی سستانی کھڑکی تھی۔

”یہ بہن ہیں آپ۔“ بڑی بے گامگی سے کہتے ہوئے اسے اپنا کوٹ اندر کر تھما تا تو وہ شش رہ گئی۔

”جی۔ جی۔ جی۔“ اس کی تیر بھری کشادہ آنکھوں میں اس نے سنجیدگی سے دیکھا۔ اور آسٹین فولڈ کر کے جیک لگانے لگا عاشر کا کمر کوٹ بہن کر اس کے حواس بحال ہوئے گرمائی اور تحفظ کا۔ تنہا شدید احساس تھا کہ وہ چند ثانیہ اس احساس سے خود سی ہو گئی۔ عاشر کے مخصوص پرفیوم او۔ سٹ کی محک اور گرد ہالہ بنا گئی۔

”ذرا اسے پکڑ لیں۔“ سے بے خود سا کھڑا دیکھ کر وہ پکارا وہ خواب کی سی کیفیت میں چلتی اس کے پاس آئی اور اپنی طرف بڑھ آئی ہوئی تاریخ پچھلی۔ سڑک پر ملنا جاسا اندھیرا تھا سو۔ سٹ کی ضرورت تھی۔

”جلائیں اسے۔“ سے بے خودی کھڑا دیکھ کر وہ بری طرح جھنجھلایا۔ تو وہ مزید پٹپٹا گئی، بشکل تاریخ جلا کر اس کے قریب ہی پٹپٹ کے بل بیٹھ کر ٹائر پر لائٹ

دلی وہ تپتا سا ناز بیل رہا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر دیکھنے لگی۔ شانوں پر بھرے پال تیز ہوا سے بکھرے اور جگے ہوئے عاشر کے چہرے کو مس کرتے لہڑنے لگے۔

”یاد دشت تم یہ بال باندھ نہیں سکتیں۔“ جھلا کر اس نے سر اٹھایا تو ایک لمحے کو مبہوت سا رہ گیا۔ میون ساڑھی پر لپک کوٹ پہنے خوبصورت بالوں کے بالے میں وہ اپنی بیماری لگ رہی تھی کہ وہ بری طرح ٹھنک گیا۔ کچھ ہر اسال اور وحشت زدہ کی متورم آنکھوں والی شازمہ اس کے بالکل قریب تھی۔ اس کی نصف متر اس کی شریک حیات۔

جو اس کی بھی صرف اس کی اپنی تمام تر محبت اور خوبصورتی کے ساتھ بلا شرکت غیرے بس ایک لمحے کے لئے اس کی نظرس گھرائی ہوئی شازمہ سے ملیں وہ بے اختیار نظر پھیر گیا۔ شازمہ اس کی قلبی کیفیت سے بے خبر ہو کھلا کر بالوں کا جوڑا بنانے لگی تھی۔ دوبارہ تارچ چلائی تو وہ بول اٹھا۔

”رہنے دو اسے اور تم اندر جا کر بیٹھو۔“ اس کا لہجہ شکست خورہ اور کچھ گھبرایا تھا شازمہ نے متحجب ہو کر اسے دیکھا مگر وہ اس کے ہاتھ سے تارچ لے کر جیک نکالنے لگا تھا۔

وہ حیران حیران سی پلٹ آئی، ناز لگ چکا تھا وہ سامان ڈکی میں رکھ کر دروازے کی طرف آیا تو شازمہ نے کوٹ اتارنے کا قصد کیا۔

”رہنے دو۔“ ہاتھ کے اشارے سے اسے روکا اور اندر بیٹھ کر کار اشارت کر دی۔

بقیہ راست وہ قطعی خاموش رہا اس کے چہرے پر اتنا گھبرایا تھا کہ وہ دل ہی دل میں سس گئی سیف اور سمن نے زبردستی اسے عاشر کے نموس پر سوار کر دیا تھا۔ مگر نہ وہ اسے پریشان اور خود کو بلکان کرنا ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ اس وقت بھی عاشر کا جھجک رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ آہستہ پار اس نے اسے ”م“ کہہ کر پکارا تھا۔ گاڑی میں گہری خاموشی اور سکوت تھا صرف ان کی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں جو ایک دوسرے کی قربت اور احساسات کے اس تغیر

سے ارتعاش پذیر تھیں۔ کیا ایسے کم سخن سے کوئی گفتگو کرے جو مشکل سکوت سے دل کو لہو کرے اس نے آرزو ہو کر عاشر کو دیکھا اور دل ہی دل میں اپنی بدنصیبی اور نارسائی پر لبوئی کر رہ گئی مگر کے پورچ میں پہنچ کر اس نے بیک لگائے تو وہ اپنے خیال سے چونکی عاشر کا سر اتر رہا تھا وہ بھی باہر آئی۔

”آپ کا کوٹ؟“ اس نے عقب سے پکارا وہ جاتے جاتے پلٹا، شازمہ سے سے قدم اٹھائی اس کے پاس چلی آئی۔

”میں آپ کے نموس پر بوجھنی اس کے لیے بہت معذرت خواہ ہوں، گو شل کروں گی کہ آئندہ ایسا کبھی نہ ہو۔“ غیر متوجع جگہ تھا پیکالہ اور متورم آنکھیں عاشر بن سا رہ گیا۔ وہ تیز قدموں سے اس کے قریب سے نکلتی چلی گئی۔

”ہوں؟“ وہ چونکا اس وقت جب سیف نے آکر اس کا کندہ چاہلایا۔

”کیا ہوا تمہاری چوٹی تم ہو گئی ہے۔“ اسے زمین پر نظرس جمائے دیکھ کر سیف شوخی سے بولا عاشر نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا اور اس کی بات کا کوئی جواب دیے بغیر آگے بڑھ گیا وہ بھی بالوسی سے سر ہلا کر ست قدموں سے اندر چلا آیا۔

چند لمحوں کی لطافت کے صلے میں کچھ لوگ عمر بھر کے لئے تنہائی عطا کرتے ہیں دور جائے گا تو پھر اور بھی یاد آئے گا فاصلے قرب کی بنیاد ہوا کرتے ہیں دوسری صبح وہ سب کے لاکھ اصرار کے باوجود حسن اور زمان صاحب کے ساتھ واپس کراچی آ گیا پھوپھی اماں اور سیف اسے روکتے رہے مگر وہ سخت آپ سیٹ ہو گیا تھا واپس آنا نازیر تھا سو وہ سب کو خفا کر کے چلا آیا۔

شازمہ نے اس کے جانے کا سنا تو ہونٹ کاٹ کر رہ گئی وہ جاتے ہوئے اس کے سامنے آئی بھی نہیں مزید بے وقعتی برداشت کرنے کی سکت نہ تھی اس میں ”آنسو بڑی خاموشی سے اس کے رخسار بھگو تے

دوپٹے میں جذب ہو رہے تھے جانے ایسے وقت میں سیف اور عاشر کہاں سے چلے آئے۔

وہ اپنے گھر چلا گیا افسوس مت کرو اتنا ہی اس کا ساتھ تھا افسوس مت کرو انسان اپنے آپ میں مجبور ہے بہت کوئی نہیں ہے بے وفا افسوس مت کرو حسب حال شعر سن کر وہ چونکی اور سرعت سے آنسو صاف کے سیف کی رنگ طرافت اور رگ شاعری پڑی تھی مگر اسے دیکھ کر وہ سنجیدہ ہو گیا۔

صدیوں کا دکھ رقم تھا اس کے چہرے پر۔

”روئے کی کیا بات ہے لڑکی، کل تم بھی اس کے ساتھ جاؤ گی، خواجہ آنسو ضلع نہ کرو۔“ وہ بڑے مدبرانہ انداز میں اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کچھ اس انداز سے بولا کہ وہ بے اختیار روزی عاشر گھبرا کر اسے چپ کرانے لگی البتہ سیف دگرگرفتہ وہاں سے لوٹ آیا۔

ان سب کو مزید تین دن وہاں رکنا تھا اس دوران ناعمہ اور صدر آجاتے تو مزید روغن لگ جاتی۔ طاہر اور سیف کے ساتھ پنڈی ہوئے، اس دوران کسی نے بھی شازمہ کو ایک لمحے کے لئے اکیلا نہ رہنے دیا اور بہت جلد اسے نارل کرنے کا کارنامہ سرانجام دے دیا۔ اس کے دل میں کیا تھا کوئی نہیں جانتا تھا البتہ وہ بظاہر مسکراتی سب کا دل رکھتی رہتی تھی۔

صدر کو واپس جانا تھا ناعمہ کے جانے میں ایک آدھ مہینہ باقی تھا کیونکہ کاغذی کارروائی میں ابھی کافی ٹائم تھا تین دن گزار کر جب وہ لوٹے تو خاصے او اس اور ملول تھے پھوپھی اماں اور شازمہ کی حالت تو سب سے سوا تھی۔ اب دونوں اتنے بڑے تھے کہ گھر میں اکیلی رہ گئی تھیں کچھ دن بعد ناعمہ کو بھی چلے جانا تھا۔ مگر کوئی کب تک وہاں رہتا سب ایک ایک کر کے لوٹ آئے کہ بہر حال لوٹنا تو تھا ہی۔

سیف نے آکر حسب توقع اسے خوب ملامت کی مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کا دل کس قدر ملول تھا اپنے سابقہ رویے پر شازمہ کا متورم چہرہ اور بھیگا لہجہ یاد آتا تو

پاکین پچھل ۱۵۹ مارچ ۹۸

وہ خود سے بھی شرمندہ ہو جاتا۔ اس نے یہ مان لیا تھا کہ واقعی اپنی نارسائیوں اور محرومیوں کا بدلہ لینے میں وہ اخلاقی پسندی اور بے حسی کی دلیل میں دھنستا چلا گیا تھا اور اب پچھتاؤں اور پشیمانوں کے سوا کچھ نہیں بچا تھا۔

پھر بہت سارے دن گزرتے چلے گئے ناعمہ اسٹیشن جانے سے پہلے ان سب سے ملنے کراچی آئی اور یہیں سے فلائی کر گئی، اسے گئے کافی دن گزر گئے تھے ان ہی دنوں پھوپھی اماں کی بیماری کی خبر آئی۔

وہ پاپا کے ساتھ کلینک میں سخت مصروف تھا۔ ہاسپٹل میں صاب کے ساتھ ساتھ اس نے ریسرچ سینٹر بھی جوائن کر لیا تھا رات کو جب تھکا ہار اگھر واپس آتا تو سب شاکی ہوئے بیٹھے ہوتے مگر وہ خود کو مصروف کرنا چاہتا تھا شازمہ کے جملے باز گشت بن کر اسے ڈسٹرب کرتے تھے سمن باجی نے کمرے میں اس کی اور شازمہ کی دلچسپی والی تصویر اتاراج کر کے لگوا دی تھی۔ میون ساڑھی میں شازمہ کا نازک سا وجود عاشر کے وجہ سے سارے کے ساتھ بہت بچ رہا تھا۔

بھوننا تو یوں جھی مشکل تھا اس پر ہمہ وقت اس کی تصویر اس کے سامنے رہتی تو وہ مزید ناوم ہو جانا پھوپھی اماں کی شدید علالت کی خبر سن کر عظیم حسن فوراً جانے کے لئے تیار ہو گئیں۔

جس روز وہ سب وہاں پہنچے پھوپھی عظیم ہاسپٹل کے آئی سی یو میں لے جانی چاچلی تھیں۔ شازمہ اینٹوں کو دیکھ کر بلک اٹھی۔ بد اسویر ہارٹ ایک ہوا تھا۔ وہ دو دن سخت صبر آزما تھے اور تیسرے روز ڈاکٹروں نے جواب دے دیا۔ انہیں پچانے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی اور زندگی بالآخر موت سے ہسکتا ہو گئی۔

”نہیں“ ایسا نہیں ہو سکتا امی مجھے اکیلا نہیں چھوڑ سکتیں۔ امی ایسا ہرگز نہیں کر سکتیں۔“ اس کی سسکیاں سب کا دل دہلا گئیں وہ کسی طور سنبھل نہ پارتی تھی۔

”میں اکیلی رہ گئی ماموں جان میں تمہارے گئی۔“ حسن صاحب کے شفیق سینے سے لگ کر وہ تڑپ تڑپ کر رو دی عاشر اس کے جملے پر پشیمان ہو کر کمرے سے

پاکین پچھل ۱۵۹ مارچ ۹۸

نکل گیا۔
”نہیں شادی تم اکیلی نہیں ہو، ہم سب ہیں تمہارے ساتھ پایا ہیں نایا جان ہیں ہم سارے کزن ہیں تمہارے ساتھ اور سب سے بڑھ کر عاشر ہے اس کے ہوتے بھلا تم اکیلی ہو سکتی ہو۔“ سمن بمشکل آنسو ضبط کرتی اسے سمجھا رہی تھی۔ اور وہ خالی الذہن بیٹھی ان کے دلاسے سن رہی تھی۔
کچھ روز پہلے جو گھر خوشیوں اور رونقوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا اب ماتم کدہ ہو کر رہ گیا تھا۔ اب بھی وہی سب تھے مگر اس مرتبہ نہی کی جگہ آنسو تھے سسکیاں تھیں۔
ایک ہفتے تک تو سب لوگ وہیں رہے اور پھر بالآخر سمن اور سیف بیگم زمان کے ساتھ وہیں رہ گئے چالیسویں تک انہیں وہیں رکنا تھا۔
عاشر اب کے واپس آیا تو دل پر مزید بوجھ لاد لایا۔ پھر بھی جان شازمہ کی رخصتی کا ارمان لے کر منوں مٹی تلے جاسوئی تھیں۔ صرف اس کی ہٹ دھرمی کے باعث ان کا خواب پورا نہ ہو سکا تھا۔ وہ جب تک پنڈی میں رہا تقریباً ”ہر شخص کے لبوں سے یہ بات ضرور سنی اور دل ہی دل میں اپنے رویے کا افسوس بھی ہوا۔

اس پر مستزاد شازمہ کا رویہ تھا وہ تو اس کے سائے سے بھی گریزاں ہو ہر سال ہوتی تھی۔ وہ اس کی تسلی کے لئے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا اس سے۔
سمن سیف اور بیگم زمان چالیسویں کے بعد واپس آئیں تو بمشکل زبردستی کر کے اسے کراچی لے آئیں گو کہ وہ کسی طرح راضی نہ تھی مگر بیگم زمان یعنی ممانی بیگم کی بات بھی ٹالی نہ جاسکی سمن نے اپنی قسم دی تو اسے راضی ہونا ہی پڑا۔
ناععہ کو اطلاع کر دی گئی تھی وہ وہاں جس حال میں تھی سب کو اندازہ تھا مگر وہاں انہیں سکتی تھی مگر نہ دوبارہ جانا ذرا مشکل ہو جاتا۔ اس نے بھی جب شازمہ کو کراچی جانے کا کہہ دیا تو اسے باوجود سخت پس و پیش کے اتنا ہی پڑا۔
بیگم حسن اسے اپنے گھر لانا چاہ رہی تھیں سمن اور

حسن صاحب نے بھی بے حد اصرار کیا مگر وہ عاشر کے باعث کسی طور راضی نہ ہوئی، دوسری طرف زمان صاحب کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ ان کے پاس رہے یوں بھی رخصتی سے پہلے اپنی سرسرا رہتا خاصا معیوب سمجھا جاتا لہذا اس کی بات مان لی گئی اور یوں وہ سیف کے گھر رہنے لگی۔
عاشی اور سیف کی کچنی اسے پور نہیں ہونے دیتی تھی۔ پھر اکثر سیما اور نیر اسے بچوں کے ساتھ چلی آئیں تو وہ بھی چند لمحوں کے لیے گزری باتیں بھلا دیتی مگر جو نئی تنہائی ملتی ای کی یاد اسے بھیر کر رکھ دیتی۔
ماں جیسی ہستی کو بھلا تا اور وہ بھی اتنا جلد آسان نہ تھا۔ مگر کہتے ہیں وقت سب بے برا مہم ہوتا ہے سو ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ سنبھلتی گئی اور کافی حد تک نارمل ہو گئی، سمن روز اس کے پاس آئیں۔ بھی بھی بیگم حسن کو بھی مصروفیت سے فرصت ملتی تو وہ بھی آجاتیں۔
سال ہونے کو آیا تھا۔ سب کا خیال تھا کہ اس کی رخصتی کر دی جائے وہ سنی تو بے اختیار رو پڑی۔
”ابھی زحم مندمل نہیں ہوا، دھیرے دھیرے ٹھیک ہو جائے گی“ بیگم زمان بیگم حسن سے کہتیں تو وہ بھی آزدگی سے سر ہلا دیتیں۔

~~*

رمضانوں کا برکتوں والا مہینہ شروع ہو چکا تھا جس کے لئے مہینوں انتظار کیا جاتا ہے اور جب یہ مہینہ آتا تو اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نعمتیں بندے کے دل کو شکر گزاری کے جذبے سے معمور کر دیتی ہیں۔ گناہ گاروں کے لئے بخشش اور سیاہ کاروں کے لئے مغفرت طلب کرنے کا ایمان افروز مہینہ۔
اس عید کے چاند بیگم حسن طاہرہ اور عاشر کے سر سراجانے کی فکر میں تھی۔ حسن صاحب نے زمان صاحب سے بات کی تو انہیں بھی اس خوبصورت مہینے میں اس فرض سے سبکدوش ہونے کی تجویز بے حد پسند آئی طاہرہ کے سرسرا والے بھی تاریخ طے کر رہے تھے سو گئے ہاتھوں بیٹوں کی خوش دیکھنے کی خواہش زور پکڑ گئی۔

پاکینہ آچخل ۱۶۰ مارچ ۹۸

سمن کے شوہر امریکہ سے واپس آچکے تھے ان کی بھی شدید خواہش تھی کہ جلد ہی سے گھر میں آجائیں تو وہ مطمئن ہو کر اپنے گھر نہ جارہیں۔ طاہرہ بھی واپس یہاں ٹرانسفر کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے گویا حالات بھرپور طریقے سے اس فیصلے کے فیور میں تھے۔
تیسرا روز تھا جب وہ امی کے کہنے پر سیف کی طرف سب کو انوائٹ کرنے گیا۔ جب سے شازمہ کراچی آئی تھی وہ صرف دو بار سیف سے ملے یہاں کیا کروونوں مرتبہ وہ نظر سے غائب رہی۔ عاشر کے گھر وہ باوجود سخت اصرار کے بھی نہ آئی۔ پچھلے دنوں جب وہ دینی علاقوں میں علاج کی غرض سے ”کمپننگ کلیک“ کے لئے گیا تو اس کی غیر موجودگی میں وہ ایک بار ضرور آئی اور یہ اطلاع اس سمن سے مل گئی تھی۔

سیف کا لکچر اب بھی جوں کا توں جاری و ساری تھا البتہ اب وہ بس کان لیٹے اسے سنتا چلا جاتا جس پر سیف کا ٹیچر لوز کر جاتا مگر اس پتھر کو موم نہ کر پاتا۔
انتظار کے لئے سب کو انوائٹ کرنا تھا سو سمن نے امی کو کہہ کر خاص طور پر عاشر کو بھیجا۔ یوں بھی آج کل اس کی شادی کی خبریں بڑی شد و مد سے گردش کر رہی تھیں سو سمن اس کے دل سے بے خبر اپنے طور پر اس کا برا ساتھ دے رہی تھیں۔
”پلیز سیف بھائی آپ ماموں جان کو منع کروں میں رخصت ہونا نہیں چاہتی۔“ بلاشبہ آواز شازمہ کی تھی وہ راہداری عبور کر کے دروازے کے پینڈل پر ہاتھ رکھ کر اسے دھکے دیتی والا تھا کہ اندر سے آئی آواز پر ٹھٹھک گیا کھلی گھڑی سے اندر کا منظر قدرے بہتر نظر آ رہا تھا۔

بے آواز آنسوؤں سے روٹی شازمہ اس کے سامنے تھی۔ دروے چور اور مصلح زہ لہجہ اس کی سماعت پر بوجھ سا بن کر گیا۔
”مگر کیوں شازمہ کیا تمہیں معلوم ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟“ سیف تڑپ سا گیا۔
”ہاں میں جانتی ہوں سیف بھائی۔“ بے دردی

سے ہونٹ کاٹتے ہوئے اس نے آنسو پیتے ہوئے پاٹ لہجے میں کہا۔
”میں عاشر کے ذہن پر بوجھ نہیں بننا چاہتی سیف بھائی میں شروع سے ان وانٹڈ (Unwanted) رہی ہوں ناععہ بھائی کے بعد میری پیدائش پر میرے والدین بھی خوش نہیں ہوئے تھے ابوجی کو تمام عمر میری کوئی خاص ضرورت محسوس نہ ہوئی کیونکہ میں تیسری بیٹی تھی۔ سمن بھائی نے ان دونوں کی کچنوں کے سوتے خشک ہونے سے بچائے تھے تو ناععہ بھائی نے انہیں حقیقی اولاد کی خوشی عطا کی تھی مگر میں۔
میں جب بھی ان چاہے وجود کی حیثیت سے اس دنیا میں آئی تھی اور اب بھی ایک ان چاہی اور ناپسندیدہ ہستی کی حیثیت رکھتی ہوں عاشر کے لئے میں نے ہوش اچھے کل کی امید پر سالوں کے اذیت رساں لمحے گزارے تھے مگر معلوم نہ تھا کہ یہ دردیشہ گلے کا طوق بن رہا ہے گا۔“ مسخرانہ لہجہ سمن اس کے لبوں پر ابھرا سیف دگر فٹہ اسے سن رہا تھا۔
”جب عاشر کا نام امی نے میرے سامنے لیا تو میں نے بہت اس سے اقرار کیا تھا۔ مگر یہ خوشی بھی دور وہ رہی اور تیسرے دن ہی انہوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں انکار کر دوں مگر اسی شام ہمارا نکاح تھا میں چاہتی بھی تو یہ نامی کا۔“ نیکہ اپنے والدین کی تاملوں پر نہیں لگا سکتی تھی۔ اور آج تک اسی فریاد واری اور اپنے والدین کے فیصلوں کی پاسداری کی سزا کاٹ رہی ہوں۔“ گلو کیر لہجہ اور کڑوا چ سیف اور باہر کھڑے عاشر کو سن سا کر گئے۔
”ایسی کوئی بات نہیں شازمہ عاشر تو۔“ مگر اس کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ ٹوک کر بولی۔
”پلیز سیف بھائی اب مجھے اور خود کو مزید دھوکہ نہ دیں، سوائے آپ کے اور میرے کون جانتا ہے کہ عاشر کی نظر میں میری کیا وقعت ہے۔“ وہ پھر استغناء سے ہو گئی اپنے درد پر خودی شمس رہی تھی وہ۔
”شازمہ۔“ سیف کا انداز شکستہ تھا۔ وہ آنسو صاف کر کے کھڑی ہو گئی۔
”اور اب میں مزید کسی پر بھی بوجھ بننا نہیں چاہتی

پاکینہ آچخل ۱۶۱ مارچ ۹۸

آپ انہیں کہہ دیں کہ وہ جہاں چاہیں اپنی خوشی اور مرضی سے اپنی زندگی گزاریں مگر مجھے دوبارہ تماشہ نہ بنائیں۔ اب تک تو کسی نہ کسی طرح بھرم رہی گیا مگر اب مجھ میں شک نہیں۔ ”وہ دوبارہ روڑی۔“
”مگر اس معاشرے میں تم ایسی کیسے رہ سکتی ہو؟“ سیف کا کڑا استفسار تھا۔

”میں نے جب تلاش کر لی ہے سیف بھائی“ اندرون سندھ ایک چھوٹا سا اسکول ہے رہائش اور خوراک کا بھی انتظام ہے وہاں یوں بھی شہر میں بہت سے دو من ہاسٹل کھلے ہیں۔ ”اس نے دیکھے سروں میں کہا تو سیف چیخا۔“

”شٹ اپ شازمہ میں ایسی کوئی بات سنوں گا بھی نہیں“ وہ پھر گیا۔

”پلیز سیف بھائی“ میں یہاں رہی تو حالات کبھی بھی سدھرنہ سکیں گے۔ ”وہ جی ہوئی۔“

”تمہارے جانے سے سدھر جائیں گے کیا؟“ وہ تیکھے پن سے بولا۔

”سدھرے نہیں تو کم از کم بگڑیں گے بھی نہیں۔“ وہ یکدم پھر ہوئی۔

”آپ کہہ دیں گے تا سیف بھائی پلیز انکار نہ کیجئے گا۔“ اس کا ہاتھ تھام کر اس نے کچھ اتنی عاجزی سے کہا کہ سیف باوجود لاٹھ چاہیے کہ نہ تو انکار کر سکا اور نہ ہی اقرار کرنے کی سکت تھی اس میں۔ متاسف سا

ست قدموں سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

”کوئی میری بات نہیں سمجھتا“ میرے درد کو نہیں سمجھتا، میں کیا کروں میرے مالک، کس سے شکوہ کروں۔“ وہ دونوں ہاتھوں میں چروچھا کر سسکتے لگی۔

اسے اپنی ساعت پر یقین نہیں آ رہا تھا اس کا منی اور نازک سی لڑکی نے اتنا بڑا فیصلہ کر لیا تھا وہ بری طرح ڈسٹرب ہو گیا۔ اس کے تو سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ایسا سوچ لے گی۔

اسی لمحے جانے کیا اس کے دل میں آئی کہ وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اور اتنی ہی قوت سے دوبارہ بند کیا روتے روتے وہ تقریباً ”پچھل سی گئی۔“

”عاشق آپ؟“ وہ ساکت رہ گئی۔

”ہاں میں اور اس وقت تمہاری ساری باتیں سننے کے بعد صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ کل تم اپنے والدین کی خواہش کی پابند تھیں تو آج میں اپنے والدین کی خوشی پوری کرنے کے لئے مجبور ہوں۔“ وہ بلا تمہید سخت لہجے میں کہتا چلا گیا وہ آنکھوں میں تحیر لئے اسے تک رہی تھی۔

”اور اب میں یہ اٹھتے ہوئے قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔ تمہیں اگر کوئی فیصلہ کرنا تھا تو اس کا وقت نکل چکا ہے۔ اب یہ میرا فیصلہ ہے جس کی تم پابند ہو گیا۔“

مجھتی ہوئی زندگی کو کوئی کھیل ہے یہ بچوں کا مذاق ہے کوئی کہ جب چاہا اقرار کر لیا جب چاہا انکار تو میڈم یہ زندگی ہے یہ حقیقتوں کو فیس کرنے کا نام انڈر اسٹینڈ

لنڈا میں تمہیں اپنے کندھے پر رکھ کر بندوں چلانے کی ہرگز اجازت نہیں دیں گا نڈا۔“

وہ شعلہ آگ کی نظروں سے اسے دیکھتا لئے قدموں واپس چلا گیا۔ اپنے پیچھے غصے سے دروازہ بند کیا تو اس کی آواز پر وہ جیسے بے ہوشی سے جاگ۔

”کون تھا عاشق آیا تھا کیا؟“ اسی لمحے سیف تیزی سے اندر آیا۔ عاشق کی آواز محسوس ہوئی تو وہ لپک کر آیا مگر اس وقت تک وہ جا چکا تھا۔

”ہوں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلا کر ڈیڈ بائی آنکھوں سے سیف کو دیکھا۔

”کچھ کہہ دیا اس نے۔“ وہ پریشان ہو کر اس کے پاس چلا آیا۔ شازمہ اس کا ہاتھ تھام کر بے اختیارانہ روئے چلی گئی۔

~~*

وہ تراویح پڑھ کر سیدھا کلیک آجاتا تھا پیمانے رمضان کے دنوں میں شام کو کلیک پر بیٹھنا چھوڑ دیا تھا۔ روزے کے باعث انہیں کمزوری ہو جاتی تھی۔

وہ آخری مریض دیکھ کر ابھی ابھی کرسی سے پٹ لگا کر ٹانگیں پھیلا کے ریلیکس ہوتا ہی چاہتا تھا کہ سیف غصے سے بھرا تیز تیز ڈک بھرتا اس کے کمرے میں چلا آیا۔

”عاشق کیا چاہتے ہو تم کیوں اس لڑکی کو بے موت

مار دے رہے ہو۔“ سیف اس وقت اتنا اپ سیٹ تھا کہ جگہ اور موقع کا لحاظ کیے بغیر بولتا چلا گیا۔ اس نے ہڈی پر سکون نظروں سے اسے دیکھا اور اٹھ کر دروازہ بند کر دیا۔

”ہوں اب کو کیا بات ہے؟“ اس کے قریب دینہ کر شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر رسلان سے پوچھا۔

”تم کھڑے تھے۔“ بمشکل سیف نے لہجہ دھیمہ رکھا۔

”ہوں۔“

”تو آخر ایسا کیا کہہ آئے ہو اسے کہ وہ مستقل رو رہی ہے نہ کچھ بتاتی ہے نہ بولتی ہے۔“ سیف سخت متحیر اور بے بس لگ رہا تھا۔

”صرف یہ کہ اب اسے میرے فیصلے کا پابند ہونا ہے۔“ وہ قطعیت سے بولا۔

”اور تمہارا فیصلہ کیا ہے؟“ سیف کے ہوش اڑ گئے یہ بات سن کر عاشق کا لہجہ شکار خان کی مانند لگا۔

میز پر ہاتھ پیوٹ گھماتے ہوئے خود کسی پتھر کا جسمہ لگ رہا تھا سخت اور ناقابل شکست۔

”وہی جو تم سن چکے ہو۔“ حد درجے سنجیدہ جواب تھا۔

”تو کیا تم جبر کرو گے۔“ سیف کا لہجہ تیز ہو گیا۔

”جبر تو ہو چکا سیف اور اب صرف صبر کرنا ہے موجودہ حالات میں سوائے کھو دینے کے کوئی راستہ نہیں نکلتا، تم شازمہ کو سمجھاؤ کہ میں اپنے فیصلے بار بار بدلنے کا عادی نہیں۔“ سیف کو سر دھجے میں بولتا عاشق ایک لمحے کو سخت متفکّر لگا۔

”مگر تم اب اس بات پر کیوں پھنسا ہو عاشق جب کہ تمہارا گزشتہ رویہ تمہارے شرف کا منہ بولتا ثبوت تھا اگر اب شازمہ ایسا چاہ رہی ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے۔“ وہ طنز سے کہہ اٹھا۔

”لیکن اب میں ایسا نہیں چاہتا۔“ اس کے لبوں پر مبہم مگر بری ولاوین مسکراہٹ پھیل گئی۔

”مارے حیرت کے سیف اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو عاشق کے لبوں پر غمراہ جسم اسے کوئی اور ہی

کہانی سنا رہا تھا۔ خوشی و انبساط اپنے نقطہ عروج کو چھونے لگے۔

”مائی گاڈ میں کیسے خواب تو نہیں دیکھ رہا۔“ سیف نے احسن پن سے انگلی دائیں تلیے والی بائیں بائیں

ساختہ ہنس پڑا اس کی ہنسی اتنی جاندار اور بھرپور تھی کہ وہ چوٹے پٹانہ رہ سکا۔

”ہوں تو گویا کیونکہ کا تیر چل گیا ہے۔“ اب وہ اپنی جون میں واپس آچکا تھا۔ غصہ اور کیش بھول کر کھنکھاتی سے اسے پھینڈا۔ جواباً اس نے محض مسکرا کر شانے

اچکا دیئے۔

”اس صدمی کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔“ سیف سے خوشی سنبھل نہیں رہی تھی اس کا بس چلنا تو وہیں بھنگوا ڈال دیتا۔

”ہاں یہ سچ ہے سیف میں اب اسے کھونا نہیں چاہتا بہت سوچا میں نے کہ میرا زہریلا رویہ اسے مجھ سے تنفر کر چکا ہو گا مگر میں اس سے دستبردار نہیں ہو سکتا، اتنی کانٹ فائٹ ہر آف (Fighter off)

(I Con't) وہ صاف گوئی سے مجسم انداز میں اعتراف کر گیا۔

”اور میرے بارہمی خوش کر دیا تو نے۔“ سیف نے اسے کچھ کرکھڑا کیا اور سینے سے لگا لیا۔

”ایمان سے لاف بٹائی اپنی بھی اور میری بھی۔“ وہ بے خیالی میں کچھ زیادہ ہی بول گیا۔

”کیا مطلب؟“ اب کہ عاشق ٹھٹھکا۔

”مطلب یہ کہ اب میں بھی جاؤں گا پنڈی ماما کو لے کر۔“ وہ قدرے عجیب کر سر جھباتے ہوئے بولا تو عاشق کے دھیان میں ہنسی مسکراتی مہوڑا تر آئی۔

”ہوں تو یہ بات ہے؟“ وہ سمجھ کر مسکرایا۔ ”پہلے کیا اس نے شرط لگا دی تھی اس نے یونہی کہہ دیا۔“

”ہاں۔“ سیف کے بھرمیں سنجیدہ ہو گیا۔

”تمہارا جو رویہ شازمہ کے ساتھ تھا وہ اسے پتا چل گیا تھا سو میرے اظہار پر اس نے صاف انکار کر دیا۔

”کتنے گلی تم آدم کے بیٹے سارے ایک جیسے ہوتے ہو پھر تم تو عاشق کے سب سے قریبی دوست ہو کچھ نہ کچھ تو اثر آیا ہی ہو گا مگر اب جب کہ تو مان گیا ہے تو وہ بھی

مان جائے گی۔ وہ برآمد تھا عاشر خفیف سا ہو گیا۔
 ”آئی ایم سوری سیف میری خاطر تمہیں بھی
 Saffer کرنا پڑا۔“ اس کا لہجہ ندامت سے چور تھا۔
 ”ارے جھوٹا پار۔“ وہ کسی شاعر نے کیا خوب کہا
 ہے کہ۔

وہ مان گیا ہے تو کیا قصہ فراق کہیں
 خوشی کے لمحوں کو یوں بے مزہ نہیں کرتے
 سیف شوخ ہو رہا تھا۔
 ”وہ مان گیا۔“ نہیں بلکہ صحیح شعر ہے ”وہ مل گیا تو
 کیا قصہ فراق کہیں“ اس نے بھیج کی۔
 ”چلو یوں ہی سہی۔“ وہ اسے باقاعدہ بھیج کر
 زبردستی اپنے ساتھ لے گیا۔

اور اس خوشی کو اس نے سیف کے ساتھ بہت دل
 سے انجوائے کیا۔ رات وہ دونوں دیر سے گھر پہنچے تو
 ٹھیک ٹھاک سننے کو طبلیں مگر وہ اتنے مسرور تھے کہ اس
 بات کا برا نہیں منایا بلکہ شرافت سے ایکسکیوز
 کر لیا۔

اس نے سیف کو منع کر دیا تھا کہ شازمہ سے کچھ نہ
 کہے ساری تلافیاں وہ خود کرنا چاہتا تھا جب کہ سیف کا
 خیال تھا اسے بھی اس خوشی سے ہمکنار کر دینا چاہیے
 مگر وہ ایسا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا۔ سو سیف کو بھی
 ہتھیار ڈالنے پڑے۔

بیگم حسن اس کے فیصلے پر متعجب اور مسرور ہو
 اٹھیں لیکن اور طاہر نے سنا تو وہ الگ حیران ہوئے
 ساتھ ساتھ خوشی بھی تھی۔ عاشر رخصتی کے لئے
 راضی ہو گیا تھا سب کے دل اس کا پلٹ پر بے حد
 خوش تھے۔

اس کے سر اور لا تعلق رویے کو سب محسوس
 کرتے تھے مگر زبان سے کوئی بھی اس کا اظہار نہیں
 کرتا تھا۔ دل میں ہزاروں واسے اور اندیشے سر
 اٹھاتے مگر عاشر سے کوئی باز پرس نہیں کرتا کیونکہ
 حسن صاحب نے اس سے اس موضوع پر بات کرنے
 کے لئے منع کر دیا تھا۔

ان کا خیال تھا کہ اس ہنڈورا بکس کو ہندی رہنے دیا
 جائے وہ اس آتش فشاں کے پھٹنے سے لاشعوری طور

پر خوفزدہ تھے کیونکہ بیٹے کے دل کا حال وہ جانتے تھے
 شاید سب ہی اس امر سے واقف تھے لہذا خاموشی
 اور صبر کے ساتھ آنے والے وقت کے فیصلے کے منتظر
 تھے۔

اور واقعی یہ فیصلہ کتنا موزوں اور خوبصورت تھا کہ
 میں سب نے اس کے فیصلے کا خیر مقدم کیا مگر بیگم حسن
 عید کے چھ دن بعد کی مارچ رکھنے کا سوچ رہی تھیں
 کیونکہ طاہر کے سسرال والے بھی یہی چاہتے تھے
 لیکن عاشر نے دو ٹوک انداز میں بڑی سنجیدگی اور
 متانت سے کہہ دیا تھا کہ رخصتی وہ عید والے روز ہی
 کرانے کا چاہیے ورنہ بعد میں ہو۔

بیگم حسن تو اس پر بھی راضی تھیں مگر معاملہ ذرا
 ٹیڑھا تھا زمان صاحب اس غلطی سے کچھ تالاں نظر
 آرہے تھے مگر بیگم حسن اور حسن صاحب کو بیٹے کی
 خوشی ہی عزیز تھی۔ سوہاں کرانے ہی چھوڑی۔

عاشر کو دھوم دھام کی ضرورت نہ تھی وہ سادگی سے
 ہی رخصتی کرانا چاہتا تھا۔ سب نے بہت زور دیا مگر اس
 نے سارے ارمانوں کا مرکز و لبہ قرار دے دیا۔ اور
 وہاں بھی سب کو ماتے ہی بی بی کہ وہ بہت کم کسی بات پر
 اصرار کرتا اور جب کرنا تو اسے منوار چھوڑتا۔
 ”عاشر کیا تم واقعی خوش ہو۔“ وہ ہاسپٹل سے
 جلدی واپس آگیا تھا سر میں شدید درد تھا مگر روزے
 کے باعث وہ ابلیس جیسا نہ تھی۔

ابھی آکر بیٹھائی تھا کہ سمن نے پاس آکر بیٹھے
 ہوئے اتنی سنجیدگی اور تشویش سے پوچھا کہ وہ
 مسکرائے بنانہ رہ سکا۔ جانے کی ہے وہ یہ بات اس
 سے پوچھنے کی خواہاں تھیں آج موقع ملا تو ہمت کر لی۔
 ”آپ کو یہ سوال کرنے خیال کیوں کر آیا؟“

ہاتھوں کا تکیہ بنا کر صوفے کی بیک پر رکھتے ہوئے اس
 نے بڑے اعتدال سے نظریں سمن کے چہرے پر جمائیں
 آنکھوں میں تبسم پر قصاں تھا۔

”سوال کے جواب میں سوال نہیں کرتے عاشر۔“
 وہ جھنجھلائی۔

”پہلے تم اپنے رویے سے کسی طور راضی ہوتے
 نظر نہ آتے تھے۔ گو کہ زبان سے کچھ نہ کہتے مگر
 تمہارے ہر ہر انداز سے لاشعوری چپٹی تھی۔ اور اب

میری ہے تو اتنے غلبت پسند بن گئے، مجھے
 بدلت پسندی سے خوف آئے جانے تم کیا
 کہو۔“ سمن نے خوفزدہ سے لہجہ میں کہا۔
 ”کسی سانس بھری اور قدرے توقف سے

کو معلوم ہے آپ کی کہ میں کبھی جھوٹ نہیں
 کہتی کی ہوتی ہر بات سچ ہے واقعی کچھ عرصہ
 کے والدین کے اس فیصلے کو دل سے قبول نہیں
 کر سکتی تھیں جانیے اب جو کچھ بھی میں نے فیصلہ
 دل کی تمام تر شدتوں سے کیا ہے اور میں
 اس میں ہوں شاید اس کا اظہار نہ کر سکوں۔“
 سمن نے لہجے میں آہستگی سے بولنا وہ سمن کے دل
 کی سکون اتار گیا۔

”اب لہجہ سچائی سے منور تھا وہ دل سے مطمئن
 طمانیت کے احساس سے سرشار ہو کر بے
 اس کا تھا جو کم لیا۔
 ابی لو یو عاشر ابی ریلی راؤڈ آف یو۔ تم نے
 ہر ایش کا مان رکھ لیا۔“ سمن خوشی سے کہتی

”عاشر اکل۔“ اسی لمحے سمن کی چھوٹی بیٹی بنی
 ”ماں کہتی ہیں کہ آپ کی دلہن آئے گی“ وہ اس کی
 ہاتھ چڑھاتی۔ برا محسوس سوال تھا۔ دونوں بہن
 سسکرائیں۔

”اب بیٹا آئیں گی تو۔“ اس نے بڑی محبت سے
 بولا۔

”سب“ ”ہنی اس کی ٹائی سے کھیتی ہوئی بولے
 ال سے پوچھنے لگی۔

”بہت جلد بیٹا کیونکہ اب تو آپ کی ماما کو بھی یقین
 ہے۔“ ”ہنی کو پیار کرتے ہوئے اس نے سمن
 کے سمن کو دیکھ کر کہا تو وہ جھینپ کر اسے
 دھوکا دیتی اٹھ گئیں۔

اس کی خواہش کے مطابق رخصتی سادگی سے ہی
 لے کر ارادہ تھا مگر سمن اور عاشر نے جمعۃ الوداع
 روز سے ہی ڈھولک منگالی۔ سمن نے شازمہ کو
 لے جا کر خود ساری شاپنگ کرائی وہ تو عاشر کو

بھی کھسپتیں مگر وہ ایک دن جانے کے بعد ہی توبہ
 کر کے بیٹھ گیا۔

روزے میں جتنا پیدل دکان دکان گھومنے کا
 اسٹیمنا سمن کا تھا اتنا کسی کا ہو نہیں سکتا تھا شازمہ تو
 یوں بھی آج کل خدشوں اور اندیشوں سے سرسوں کا
 پھول ہو رہی تھی مزید اس ”بیٹی“ سے لیگان ہو گئی۔

یوں بھی عاشر کی موجودگی میں وہ سخت اپ سیٹ
 ہو جاتی تھی چلتی کہیں قدم نہیں بڑھتے۔ وہ اس کی
 گھبراہٹ اور سراسیمگی انجوائے کرتا رہا اور وہ خالی
 الذہنی اور غائب دماغی سے سمن کی پسند کردہ چیزوں پر
 سر ہلائی رہی۔ سو اس نے یہی سوچا کہ اسے مزید
 ستانے سے بہتر ہے کہ وہ سمن کے ساتھ جانا چھوڑ
 دے لہذا اس نے سیف کے ساتھ جا کر اپنی شاپنگ
 کی۔

تقریباً روزانہ ہی افطار کے بعد وہ سب نکلتے کیونکہ
 گھر میں دو شادیوں کے ساتھ ساتھ عید کی تیاری
 بھی کرنا تھی۔ رونقوں اور برکتوں کے اس مہینے میں
 خوشیوں کا جیسا انبار لگ گیا تھا۔

سب مطمئن تھے سوائے شازمہ کے جو آنے والے
 وقت سے ہراساں اپنے سائے سے بھی سہمی رہتی
 تھی۔ عاشر کے فیصلے پر سب جی جان سے خوش تھے
 اس سے کوئی نہ پوچھتا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔ سیف نے
 بھی اس روز والی اس کی بات پر کوئی رد عمل کا اظہار
 نہیں کیا تھا سمن اپنے بھائی کی خوشی میں مگن تھیں۔
 اور ناعمہ اس سے اتنی دور تھی کہ وہ اسے کچھ بتا کر
 پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ایسے میں خود کو ہر طرف
 سے تنہا پائی تو امی کی تصویر سینے سے لگا کر سارے درد
 بہاؤ اتی۔

”گو کہ اس نے کہہ دیا تھا کہ شادی میں ہنگامہ اور غیر
 ضروری رسمیں کرنے کی قطعاً ضرورت نہیں مگر
 سمن نے اور سیف کی ساری بہنوں نے کسی نہ کسی
 طرح ہندی کی رسم رکھوائی لی۔ اور جس روز یہ سب
 زبان صاحب کے گھر پہنچے ناعمہ نے بتائے آکر
 سب کو حیران کر دیا۔

سب خوش تھے مگر شازمہ کی خوشی تو دیدنی تھی۔
 ناعمہ نے اسے گلے سے لگایا تو وہ مجسم آنسو بن گئی۔

اسے دیکھ کر خود پر اختیار نہ رہا تھا۔ سب اسے چپ کر رہے تھے۔

”دیکھ لیں چند دن کی جدائی بھی شاق ہے ان پر رو کر آنکھیں جھلی ہیں مگر ادھر ان کے شہر انداز کا بھی کہنا ہے کہ عید سے پہلے بارات نہیں لاؤں گا۔“ سیف نے اسے ملکان ہونا دیکھ کر کماؤ سب کے قہقہے اسے بری طرح ہلش کر گئے۔

اور یونہی ہی خوشی قہقہوں کی برسات میں خوبصورت رسم ادا کر دی گئی۔ وہ سب واپس آئے تو سیف بھی ساتھ آگیا۔ یہ کہہ کر کہ اب وہ عاشق کی طرف سے شامل ہوگا۔

”یاد رکھنا سیف تمہاری شادی میں میں بھی پھر ایسا ہی کروں گی۔ آؤں گی پھر مہوڑ کی طرف سے“ ناعمہ نے وارننگ دیتے ہوئے اسے چھیڑا وہ بھی سارے واقعہ سے واقف تھی۔

”کوئی پرواہ نہیں، تمہاری بہن تو میری ہی بھابھی بن کر آئے گی، تم بھلے کیس سے بھی آنا۔“ وہ ڈھٹائی سے ہنسا اس کو تھلا تا چھوڑ آیا عاشی اور نیر نے بھی اسے سخت ست سنائیں مگر وہ بس سے مس نہ ہوا۔

چاند رات کو وہ سب آئیں اور عاشق سے ڈبل نیک وصول کر کے گئیں گو کہ سیف نے بڑی بخت کرانے کی کوشش کی مگر نیر ناعمہ عاشی اور سیماء کے آگے ان دونوں کی زیادہ نہ چل سکی۔ دوسرے روز عید بھی اور اس کی بارات بھی جانی گئی۔ گھر میں خوشیوں کی جیسے بارات اتر آئی تھی۔

عیکم حسن تو چاہتی تھیں کہ بارات میں پورے خاندان کو انوائٹ کریں مگر عاشق ایک ہی بات پر اڑا تھا کہ رخصتی سادگی سے ہوگی اور پھر یوں ہی ہوا صبح کو نماز پڑھ کر آنے کے بعد سب کو عیدیاں دیتے رات کو وہ دو لہا پنا شازمہ کو دواغ کر لایا۔

وہ سب اسے باہری بٹھا گئیں اور آرسی مصحف کی رسم پر اچھا خاصا بنگامہ بچا۔ سیف اور سمن نے مل کر خوب رونق لگائی شازمہ کا تقریباً ”نیم بے ہوش وجود“ اور گرد ہونے والی خوبصورت سر کو شیوں اور آوازوں سے بے نیاز تھا۔ شیشے میں آنکھیں موندے حجاب سے دھری ہوئی وہ دہسن کے روپ میں عاشق کا قرار

لوٹ گئی۔

سرخ کا مدار شرارہ سوٹ میں لمبوس بھاری زہرات اور حسین میک اپ سے قیامت کی حد تک حسین لگتی وہ اسے بے خود سا کر گئی مگر اس کی حالت بڑی ابتر تھی۔ خوف اور سراسیمگی سے وہ بالکل بے ہوش ہوئی جاری تھی۔ عاشق کا متوقع خوفناک رویہ اس کے اوسان خطا کرنے لگا رہا تھا۔

وہ اسے یوں ہراساں دیکھ کر دل ہی دل میں نادم اور ملول ہو گیا۔ خواہش تھی کہ جلد از جلد اس کو حقیقت حال سے باخبر کر دے۔ پھر اسے دل کی بے تائیاں اور محبت کے چھپے خزانے لٹا دے مگر مسوں کا ابھرا ہوا پرچہ سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

سمن نے اسے دروازے پر روک لیا مزید نیک فرمائش تھی۔ اس نے بت لے دے کی مگر وہ کی طرح نہ مل رہی تھیں سو مجبوراً اسے ان کا طلبہ کردہ نیک دینا ہی پڑا تب کہیں جا کر جان چھوٹی۔ سب اسے بری طرح چھیڑ رہی تھیں مگر اس کا دل شازمہ میں اٹکا ہوا تھا۔

دروازہ بند کر کے وہ اندر آیا تو مسی پر سمنی سٹاپ بیٹھی وہ مزید سمٹ گئی، جون جون وہ بند کی طرف ہر شازمہ کے کانٹے وجود کی لرزاہٹ بڑھتی گئی حتیٰ کہ اس کے بند پر بیٹھنے ہی وہ ہنٹھنوں پر سر رکھ کر خود سے بے گانہ کی ہوئی۔

”شازمہ۔“ بلاشبہ اس کی آواز میں بے انتہا وارفتگی تھیں اسے لگا جیسے یہ آواز بہت دور سے آئی ہو۔

”آرہو آل رائٹ شازمہ۔“ وہ کتنی ہی دیر یونی بیٹھی رہی تو اس نے گھبرا کر اس کا رخ پڑا ہاتھ پکڑ لیا۔ لہجے کی بے قراری شازمہ کے پورے وجود کو ہلائی۔

”کیا تم ٹھیک ہو؟“ اس کا چہرہ اونچا کر کے اس نے گھونگھٹ الٹ دیا۔ لمحے پھر کے لئے اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں وہ رو رہی تھی۔ مگر کتنی حسین لگ رہی تھی بند آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔

”پلیز یار میری خطاؤں کی اتنی سزا ہی کافی ہے تمہارے آنسو مجھے شدید رنج پہنچا رہے ہیں۔“ اس کے آنسو صاف کر کے وہ پھیلائی۔ بولا تو وہ شرموگیا

اسل کر ایک ٹک اسے دیکھ گئی۔

”یہ دوستانہ مہیاں انداز پر خوبصورت حلاوت لہجہ میرے خدا کیا میں کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔“ وہ بے یقین ہوئی جاری تھی۔

”بس آج کے لیے اتنا ہی بہت ہے باقی پھر کبھی دیکھ لیتا میں تو نظر لگ جائے گی۔“ وہ اس کی محبت کرنے کو شرارت سے بولا تو وہ جیسے گہری نیند سے جاگ اٹھی۔

”عاشق آہ۔“ اس کے دونوں ہاتھ عاشق کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں تھے مگر وہ اپ بھی اسے لپٹاوا ہر سمجھ رہی تھی۔

”ہاں بابا یہ میں ہی ہوں، کو تو یقین دلاؤں۔“ شوق سے اس کی آنکھوں میں جھانکنا تو بے طرح شرابی تھی۔

”جانتا تھا میں کہ بہت سی بدگمانیاں ہوں گی تمہارے دل میں، میرا جذبہ تنفر اس کے علاوہ اور پیدا ہی کیا کر سکتا تھا مگر یقین کرو، جب تک میرا دل نہ مانا میں نے تمہارے ساتھ محبت کا فریب نہیں کیا مگر آج میں پورے یقین اور مگرے جذبات کے ساتھ تمہیں اپنا ہاتھ شازمہ۔

”تم واقعی میری زندگی کا سب سے بڑا بچ ہو۔“ گہمیر لہجے میں کہتے ہوئے اس نے شازمہ کے ہاتھوں پر گرجو شکی سے دباؤ ڈالا تو وہ شادی مرگ کی کیفیت سے سہکتا رہ گئی۔

”کو کیا؟“ نے میری خطائیں معاف کیں مجھے دل سے قبول کیا۔“ بڑی آس اور محبت سے وہ پوچھ رہا تھا اور شازمہ کے سارے الفاظ جیسے گم ہو گئے تھے اتنی محبت پا کر وہ بے خود ہوئی جاری تھی۔ ساری باتیں ایک خواب لگ رہی تھیں۔

”ہاتھ شازی۔“ اس کے ہاتھوں میں خوبصورت طلائی کنگن پہناتے ہوئے اس نے اسے چونکایا تو وہ ہادود کو شش کے اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی اور بے اختیار سر عاشق کے شانے سے ٹکا دیا وہ اسے خاموش کرانے کے بجائے آہستہ سے اس کے ریشمی بالوں کو سلاتا رہا۔

”میں نے تو آج سے چار سال پہلے ہی آپ کو دل سے قبول کیا تھا عاشق میں بھلا آپ سے فضا ہو سکتی

ہوں۔“ کافی دیر بعد وہ بمشکل کچھ کہنے کے قابل ہوئی مگر آپ نے مجھے بہت ترپایا ہے عاشق۔ لہجہ خود بخود شاکہ ہو گیا۔ اس نے پرسکون ہو کر گہری سانس خارج کی۔

”اور جو تم نے میرا چین اور قرار لوٹا اس کا حساب کون دے گا۔“ وہ والہانہ جذبے لٹاتا اس پر زرا ساتھ کا تو وہ فرار کی راہیں نہ پا کر بری طرح خروس ہو گئی۔ ہاتھ چھڑانے چاہے مگر گرفت مضبوط تھی۔

”اب بہت مشکل ہے یہ ہاتھ چھڑانا۔“ وہ شوخ ہو رہا تھا اور شازمہ کے اوسان خطا ہوئے جارہے تھے۔

”اوکے“ اس نے مسکرا کر اسے گویا آزاد کر دیا۔

”میری عیدی۔“ آج کتنے دنوں بعد اس کا وجود جیسے ہوا کی مانند ہلکا ہلکا ہو گیا۔ سارے خوف خدشے مٹنے چلے گئے تھے۔ وہ ذرا سا سنبھلی تو عاشق کی والہانہ نظروں سے لگا رہی چرا کر حنائی۔ قہقہے پھیلائی۔

”اوہ۔“ وہ جیتیں ٹٹول کر متاسف سا ہوا۔ ”آئی ایم سو ری میں اس وقت تک لڑکال ہو چکا ہوں۔“ بے چارگی سے شانے اچکائے ”مگر یقین کرو دل میں محبتوں کے ان گنت خزانے صرف تمہارے نام میں“ بڑے جذب سے کہتے ہوئے اس نے اس کا ناز کو جو اپنے مضبوط بازوؤں کے گھیرے میں سمیٹ لیا۔

”مجھے اس کے سوا کچھ چاہیے بھی نہیں۔“ شازمہ نے سرشار ہو کر چہرہ اس کے فرائح سینے میں چھپا لیا۔

”آئی لو یو شازی۔“ عاشق کا لہجہ بو بھل ہو کر تھمر سا گیا۔ تو اس نے پرسکون ہو کر آنکھیں موند لیں۔

اس وقت اس کی حالت کسی ایسے مسافر کی تھی جسے دھوپ میں چلتے چلتے کتنی چھاؤں میرا آگئی۔ کم شوال کی وہ خوبصورت رات ان دونوں کی زندگی کو حسین تر بنا گئی۔

عاشق کا خوبصورت لہجہ اور محبت بھرا رویہ شازمہ کے تمام واسطے اور گفتیں مٹا گیا۔ وہ خوش تھی بے حد خوش تھی عید کا دن اس کی زندگی کا خوبصورت دن بن گیا تھا اور عاشق حسن شازمہ کے دل کو جیت کر رہے حد مسرور تھا کہ معراج زندگی ہی یہی ہے۔
